ماھنامہ

# حیاتِ نو

بلریاگنج

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

# ماہنامہ مجلہ حیاتِ نو بلریا گنج

| | | |
|---|---|---|
| جلد ۱۳ | شوال المکرم، ذیقعدہ ۱۴۱۶ھ مارچ ۱۹۹۶ء | شمارہ ۳ |

## بدل اشتراک

| | |
|---|---|
| سالانہ زرتعاون | ۵۰/۰۰ روپے |
| طلبہ کے لیے | ۴۰/۰۰ روپے |
| خصوصی زرتعاون | ۱۰۰/۰۰ روپے |
| اعزازی زرتعاون | ۱۰۰۰/۰۰ روپے |
| غیر ممالک سے زرتعاون | ۲۵ امریکی ڈالر |
| قیمت فی شمارہ | ۵/۰۰ روپے |

مدیر مسئول

نور محمد فلاحی

معاون

انیس احمد فلاحی

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہٰذا جلد سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مجلہ "حیاتِ نو" جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ

ٹیلی فون ۰۵۴۶۶- فون نمبر ۲۵۱۵ پن کوڈ ۲۷۶۱۲۱

کتابت: محمد اشفاق عالم نعمانی

# نقوشِ حیاتِ نو


اداریہ — صفحہ

طلبہ مدارس کی اخلاقی صورتحال اور اساتذہ کے واجبات، انیس احمد فلاحی ۲

## ہدایت کے چراغ

حضرت عطاء بن ابی رباحؒ — ابو طلیس ندوی ۷

## بحث ونظر

فن نحو کی دو مفید کتابیں

اسباق النحو اول و دوم — محمد ایوب اصلاحی ۱۳

اسلامک فقہ اکیڈمی کے دسویں فقہی سیمینار میں شیئرز سے متعلق منظور شدہ قراردادیں۔ ۱۸

## مقالات

ابن ندیم کی جلیل القدر تصنیف

الفہرست — غطریف شہباز فلاحی ندوی ۲۱

فانی کی کائنات غم — ابو عمیر منظر فلاحی ۲۴

## شعر ونغمہ

غزلیں — شمسی، قمر، راز، انور ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹

## تعارف وتبصرہ

دعوت و تبلیغ — اختیار الحسن ندوی ۳۰

## جامعہ کے لیل ونہار

طالبات قدیم کا انتخاب، توسیعی لیکچرز کی تقریبات — ادارہ ۳۲

جاوید سلطان فلاحی جامعۃ الامام میں

روداد انجمن "نظر یونٹ" — محمد اکرم فلاحی ۳۶

حلقہ یاراں — محمد الیاس اعظمی ۴۰


اداریہ

# طلبہ مدارس کی اخلاقی صورتحال
# اور
# اساتذہ کے واجبات


انیس احمد فلاحی مدنی


ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں دینی مدارس کا یہ پہلو کتنی اہمیت رکھتا ہے کہ دین وشریعت کی بقا کا تمام تر انحصار اب صرف ان ہی پر رہ گیا ہے یوں تو مدارس کے علاوہ دینی تنظیمیں بھی دین کے احیاء کے لئے کوشاں ہیں لیکن ان تنظیموں کو فعال بنانے اور انکی سرگرمیوں کی جہت متعین کرنے والے افراد تمام تر ان ہی مدارس کی کوکھ سے پیدا ہوتے ہیں اگر یہ مدارس نہ ہوں تو نہ یہ تنظیمیں رہیں، اور نہ تنظیموں کو چلانے والے افراد اور نہ ان تنظیموں کی کوششوں سے حاصل ہونے والی دینی اخلاقی، سماجی ومعاشرتی اصلاحات۔ گویا یہ مدارس ہی اب دین وشریعت کے اصل پاسبان ونگہبان ہیں۔

اس اہمیت کے باوجود امت نے ان پر اس حیثیت سے بہت کم توجہ کی کہ یہ مدارس اپنے مقاصد کو زیادہ بہتر طریقہ سے انجام دے سکیں۔ اس کی روشن دلیل فارغین مدارس میں صلاحیت کا فقدان یا کمی اور اسی کے ساتھ ان کا روبزوال اخلاقی تنزل اور روحانی انحطاط ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسٹرائک اور احتجاج یونیورسٹی اور کالج کے طلبہ تک ہی پہلے محدود تھا لیکن اب مدارس کے طلبہ بھی اس

نامناسب وناموزوں طریقۂ اظہار جذبات میں یونیورسٹی طلبہ کے ہم عنان ہوگئے ہیں۔ یونیورسٹی املاک کو نقصان پہونچانا بھی یقیناً قبیح امر ہے لیکن مدارس کی املاک کو نقصان پہونچانا تو اور زیادہ گھناؤنا فعل ہے کہ یہ صرف ملک دشمنی ہی نہیں دین دشمنی کی بھی علامت ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اساتذہ کے ادب واحترام کی جو روایات مدارس میں قائم چلی آرہی تھیں اب وہ روایات ٹوٹتی جارہی ہیں۔

رفتہ رفتہ کلاس، استاد اور کتاب کا ادب واحترام رخصت ہوا تو نتیجۃً ہوم ورک کی ادائیگی میں سستی وکاہلی، اسباق ودروس کے مطالعہ سے بے توجہی، تعلیمی گھنٹوں کو سرگشتی میں صرف کرنے نیز امتحانات میں دھوکہ دہی وفریب عام ہوگیا اور نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ امتحانات میں نقل کے دوران پکڑے جانے پر اساتذہ کے ساتھ وہ تمام گستاخیاں دینی مدارس کے طلبہ بھی کرنے لگے جو یونیورسٹیوں میں اساتذہ کے ساتھ ہوتی تھیں، اس طرح آہستہ آہستہ ہماری وہ سماجی خصوصیات بھی زائل ہوتی جارہی ہیں جو بڑوں کے احترام اور چھوٹوں کے ساتھ پیار ومحبت کی بنیاد پر قائم تھیں کیونکہ یہ طلبہ ہمارے سماج ہی کا حصہ ہوتے ہیں مدارس سے نکل کر جب وہ سماجی زندگی میں داخل ہوتے ہیں تو یہی نفسیات وہاں بھی انکے رویے اور برتاؤ پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

طلبہ کے اخلاقی وروحانی انحطاط کا بنیادی سبب اگرچہ معاشرہ کا ہمہ جہتی بگاڑ ہے لیکن مدارس کی بعض کوتاہیاں بھی اس بگاڑ میں برابر کی ذمہ دار ہیں۔

سب سے اہم کوتاہی اساتذۂ کرام کا دینی علوم کو دنیاوی علوم کی طرح سے بس ایک داخل نصاب موضوع سمجھ لینا ہے۔ یعنی جس طرح دنیاوی



علوم کا استاد طلبہ کے سامنے ان علوم پر لیکچر دے کر اپنے آپ کو اپنے عہدے سے بری الذمہ سمجھ لیتا ہے، اسی طرح دینی علوم کے اساتذہ بھی صرف کتاب کے رموز ومشکلات کو حل کر دینے اور طلبہ کو سمجھا دینے کو ہی اپنی اصل ذمہ داری سمجھنے لگے ہیں۔ حالانکہ ان کا منصب صرف کتاب سمجھا دینا نہیں بلکہ کتاب کے مقتضیات کو طلبہ کے جوہر کردار میں داخل کر دینا بھی ہے کیونکہ دینی تعلیم روحانی بیداری اور اچھے اخلاق وکردار کے حصول کیلئے مسلسل مشق وتمرین کا نام ہے۔

چنانچہ اساتذہ کرام کی ذمہ داری صرف معلومات میں اضافہ کر دینے تک محدود نہیں ہوتی بلکہ معلومات میں اضافہ کے ساتھ ساتھ طلبہ کے دینی افکار ومشاعر کو مسلسل ان اسلامی تعلیمات کے قالب میں ڈھالنے، روحانی ومذہبی اسپرٹ پیدا کرنے تک وسیع ہوتی ہے۔

اخلاقی انحطاط کے دلدل سے طلبہ کو نکالنے کیلئے لازماً ہمیں اس بات کی کوشش کرنی ہوگی کہ:-

۱۔ قرآن وحدیث کے اسباق ودروس عالمانہ شان وانداز میں پڑھائے جائیں پوری خود اعتمادی کے ساتھ قرآن وحدیث کے گنجینۂ معارف کو طلبہ کے سینوں میں اس انداز سے اتار دیا جائے کہ بقیہ تمام علوم انکی نظروں میں ہیچ نظر آئیں۔

۲۔ اساتذہ کرام اخلاق وکردار کے اعتبار سے اس مقام بلند پر فائز ہونے کی کوشش کریں جو قابل رشک اور قابل اقتدار ہو یعنی انکے اخلاق وکردار ان اسلامی تعلیمات کا مظہر ہوں جو اسلامی تعلیمات وہ طلبہ کو دیتے ہیں۔

۳۔ طلبہ پر ہر جگہ اور ہر حال میں کڑی نگاہ رکھی جائے کہیں بھی اگر کوئی خلاف شرع کام یا بات نظر آئے تو وہ دانشمندی اور پوری شدت سے اس کے تدارک

کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔

۴۔ بلند اور اچھے اخلاق کے حامل طلبہ کو تشجیعی انعامات سے نوازہ جائے نیز مدرسہ میں ان کا ذکر جمیل ہو۔

۵۔ ہمیشہ اس امر کو ذہن میں مستحضر رکھا جائے کہ دین صرف علوم و معارف کو جاننے کا نام نہیں ہے بلکہ علوم و معارف کی معرفت کے ساتھ ساتھ نفس و روح کی تربیت، عادات و ضمیر کی اصلاح اور دینی شعور و احساسات کو پیدا کرنا ہی دینی تعلیم کا اصل مقصود ہے۔


## فارم ۴

ماہنامہ مجلہ حیات نو

| | |
|---|---|
| مقام اشاعت: | بلریاگنج اعظم گڑھ |
| وقفہ اشاعت: | ماہنامہ |
| مالک: | انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح بلریاگنج اعظم گڑھ |
| پرنٹر و پبلشر: | نور محمد، جامعۃ الفلاح، بلریاگنج، اعظم گڑھ |
| ایڈیٹر: | نور محمد، جامعۃ الفلاح، بلریاگنج، اعظم گڑھ |

میں نور محمد پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر تصدیق کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا وضاحتیں میرے علم و اطلاع کے مطابق صحیح ہیں

نور محمد




# حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ


تحریر: ڈاکٹر عبد الرحمن رافت پاشا

ترجمانی: ابو عبیس ندوی


سنہ ۹۶ ہجری کا زمانہ ہے اور ماہ ذی الحجہ کا پہلا عشرہ، مکہ کی سرزمین پر زائرین کا کاروان شوق فروکش ہونے کو ہے۔ تقدس کے ساز پر رحمتوں کے ترانے اچھالتی فضا میں یہ قافلۂ نیاز اس بے نیاز حی و قیوم کی بارگاہ رحمت کی طرف رواں ہے جو سارے انسانوں کا مالک و مربی اور حاکم و آقا ہے، اس میں پا پیادے بھی ہیں اور سوار بھی، بوڑھے بھی اور جوان بھی، کالے بھی اور گورے بھی، عربی بھی اور عجمی بھی، راجا بھی اور پرجا بھی، سب کے سب ادب سے سر جھکائے اللہ کے مقدس گھر کی جانب بڑھتے چلے جا رہے ہیں ان کی آنکھوں میں امید رحمت کا اجالا ہے اور ہونٹوں پر لبیک کا ترانۂ بندگی و حضوری

اسی قافلے کے ہمراہ وقت کا سب سے بڑا تاجدار شہنشاہ سلیمان بن عبد الملک بھی ہے وہ بھی احرام کی دو چادریں پہنے، برہنہ سر عام لوگوں ہی کی طرح مصروف طواف ہے، اس کے دو بیٹے بھی اس کے ساتھ ہیں۔ طواف سے فارغ ہوتے ہی اس نے اپنے مخصوص درباری سے پوچھا کہ تمہارے حضرت جی کہاں ہیں؟ درباری نے مسجد کے ایک گوشے کی طرف اشارہ کرکے بتایا کہ وہ وہاں مصروف نماز ہیں۔ شہنشاہ ان سے ملاقات کے لئے چل پڑا، درباری بھی اس کے ساتھ چلے کہ راستے کی بھیڑ سے اس کو بچائیں، لیکن خلیفہ نے ان کو منع کر دیا اور کہا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں شاہ و گدا سب برابر ہیں، کسی کو کسی پر کوئی برتری اگر حاصل ہے تو صرف تقویٰ کی برتری ہے، معلوم نہیں کتنے بے نواؤں کی عبادت و دعا کو اللہ نے

یہاں شرف قبولیت بخشا اور کتنے تاجدار اور کجکلاہ یہاں سے بے بہرہ بھی لوٹے ——— کچھ دیر بعد خلیفہ نے مڑ کر دیکھا، وہ بدستور محو نماز تھے، اور لوگ ان کے دائیں بائیں اور پیچھے بیٹھے ان کے منتظر تھے، خلیفہ بھی جا کے مجلس کے آخر میں بیٹھ گیا، اس کے دونوں قریشی بیٹے اس آدمی کے بارے میں سوچنے لگے کہ آخر وہ کس مرتبہ و مقام کا آدمی ہے کہ خلیفۂ وقت بھی عام لوگوں کے ساتھ اسکے فارغ نماز ہونے کا انتظار کر رہا ہے۔ آخرش وہ نماز سے فارغ ہوئے تو بادشاہ نے سلام عرض کیا انہوں نے بھی برابری کا جواب دیا، پھر خلیفہ نے مناسکِ حج سے متعلق کچھ سوالات پیش کئے انہوں نے ہر سوال کا اطمینان بخش جواب دیا اور جوابات بھی کبھی حدیث کے حوالے سے کہی، خلیفہ نے ان کو جزائے خیر کی دعا دی اور اپنے بیٹوں سے کہا اٹھو چلو پھر تینوں سعی کی جانب چل پڑے۔

صفا و مروہ کے درمیانی راستے میں دونوں لڑکوں نے سنا کہ حکومت کا منادی اعلان کر رہا ہے،

مسلمانانِ عالم :- آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ عطاء بن ابی رباح ہی مفتی حرم ہیں، انکی عدم موجودگی میں عبداللہ بن ابی نجیح ان کے جانشین ہوں گے۔

یہ اعلان سن کر دونوں لڑکوں نے اپنے والد سے کہا کہ امیرالمومنین کا منادی یہ اعلان کیوں کر رہا ہے؟ ہم خود ابھی اس آدمی سے فتوی پوچھنے گئے تھے، جس نے خلیفہ کی شایانِ شان تکریم بھی نہیں کی۔ خلیفہ نے کہا، میرے فرزندو! ابھی ہم جس شخص کے پاس ادب سے بیٹھے تھے وہی عطاء ابن ابی رباح مفتی حرم ہیں اس منصب کے اعتبار سے وہ عبداللہ ابن عباسؓ کے وارث و جانشین ہیں خلیفہ نے مزید کہا!

بیٹو! تمہیں بھی علم حاصل کرنا چاہئے کہ علم، پست سے پست آدمی کو شرف و فضیلت کا بلند مقام عطا کر دیتا ہے اور گمنام سے گمنام آدمی کو نامی گرامی



بنا دیتا ہے، حتی کہ غلاموں کو بادشاہوں کا ہم رتبہ بنا دیتا ہے،

خلیفہ نے علم کی جو شان و خوبی یا تعریف بتائی وہ مبالغہ آرائی نہیں بلکہ حقیقت واقعہ ہے عطاء ابن ابی رباح بچپن میں ایک مکی خاتون کے غلام تھے، اللہ کا فضل و کرم کہ بچپن ہی سے انہیں علم کا گہرا شغف تھا۔ ایک غلام ہونے کی حیثیت سے وہ اپنے اوقات اپنے شوق کی تکمیل میں صرف کرنے کیلئے آزاد نہ تھے، بلکہ مالکہ کی مرضیات و مطالبات کی تکمیل انکا اولین فریضہ تھا ایسی صورت میں اپنے شوق کی تکمیل کے لئے راہیں نکال لینا بڑا دشوار کام تھا لیکن انہوں نے اپنے شوق اور جذبہ کی صداقت کی بنا پر یہ دشوار کام آسان بنا لیا، انہوں نے اپنے اوقات کی تقسیم کی، اس کے تین حصے بنائے، ایک حصہ مالکہ کی خدمت گذاری کے لئے مخصوص کیا، اور کوشش کی اسی مخصوص حصہ میں مالکہ کے تمام معاملات و امور ایک سچے اور اچھے غلام کی طرح انجام دے لیں اور ان کے حقوق کی حق ادائیگی میں کوئی فرق نہ آئے۔ دوسرا حصہ اللہ کی مخلصانہ عبادت و اطاعت کے لئے وقف کر دیا اور تیسرے حصہ میں معتکف علم ہو کر گوشہ نشین ہو جاتے یا صحابۂ کرام سے اخذ و استفادہ میں مصروف ہو جاتے روایات میں آتا ہے کہ آپ نے متعدد صحابہ سے اخذ و استفادہ کیا، ابو ہریرہؓ عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن عباسؓ عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہم سے آپ نے احادیث اخذ کیں اور آپ کا سینہ دینی علوم و معارف اور احادیث رسول کا گنجینہ بن گیا۔

جب انکی مالکہ نے دیکھا کہ ان کا غلام صرف اللہ کا ہی ہو کے رہ گیا ہے اور حصول علم کے لئے اپنی زندگی وقف کر چکا ہے تو انہوں نے اسے آزاد کر دیا تاکہ اسلام اور مسلمانوں کو انکی ذات سے بیش از بیش فائدہ پہنچ سکے۔ اسی دن سے عبداللہ بن ابی رباح نے مسجد حرام کو اپنا مستقل ٹھکانا بنا لیا، وہی ان کا گھر تھا جہاں سکون و اطمینان کا سانس لیتے، وہی ان کا مدرسہ تھا جہاں تعلیم حاصل کرتے اور وہی انکی عبادت گاہ بھی تھی جہاں اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے، مورخین نے لکھا

کہ مسلسل بیس سال تک عطاء ابن ابی رباح مسجد حرام میں معتکف علم و عبادت ہو کر رہے نتیجتاً علم کا وہ بلند مقام آپ کو حاصل ہوا جو ان کے معصروں کو شاذ و نادر ہی نصیب ہوا روایات میں آتا ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ عمرہ کی غرض سے مکہ پہنچے تو لوگ ان سے مسائل و فتاوی پوچھنے لگے۔ انہوں نے کہا۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اہل مکہ مجھ سے فتاوے پوچھتے ہیں، جبکہ عطاء ابن ابی رباح مکہ میں موجود ہیں۔

علم کے اس بلند مقام تک پہنچنے میں دو خصلتوں نے عطاء ابن ابی رباح کی بڑی مدد کی بلکہ کہنا چاہیے کہ ان ہی دو عادتوں کی وجہ سے ان کو یہ سرفرازی حاصل ہوئی۔

۱۔ پہلی خصلت و خوبی یہ تھی کہ انہیں اپنے نفس پر پورا کنٹرول تھا وہ لایعنی اور بے فائدہ مشاغل میں کبھی نہ الجھے۔

۲۔ دوسری خوبی وقت کی مستحکم ضابطہ بندی تھی، انہوں نے بے مقصد امور و معاملات اور عبث گفتگوؤں میں کبھی اپنا وقت رائیگاں نہ جانے دیا۔ اسکی شہادت کوفہ کے ایک عابد زاہد عالم محمد بن سوقہ کے بیان سے ملتی ہے۔ انہوں نے اپنے معتقدین کی ایک جماعت سے کہا کہ میں آپ سب لوگوں کو ایک بات بتاتا ہوں، غور سے سنئے ہو سکتا ہے آپ کو بھی اس سے اتنا ہی فائدہ پہنچے جتنا مجھکو پہنچا۔ پھر انہوں نے کہا۔

عطاء ابن ابی رباح نے مجھے ایک دن نصیحت کی، فرمایا کہ بھائی ہمارے اسلاف بے فائدہ گفتگوؤں کو ناپسند کرتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ بے فائدہ گفتگو سے آپ کی کیا مراد ہے اس کی وضاحت فرمادیں! انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ کتاب اللہ کی تفسیر و تفہیم، احادیث رسول کی روایت و درایت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر معرفت الہی تک پہنچانے والے علوم اور زندگی کی لازمی ضروریات معاش کے علاوہ ہر گفتگو بے فائدہ اور لایعنی ہے۔

پھر میرے چہرے پر انہوں نے اپنی نگاہ جمادی اور کہا۔



کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ——— "تم پر دو نگہبان مقرر ہیں، جو بڑی عزت والے اور تمہارے ہر قول و فعل کو لکھ لینے والے ہیں" ان علیکم لحافظین کراما کاتبین پھر کہا!

کیا تم بھول گئے کہ "دائیں اور بائیں دو فرشتے ہیں، جو لفظ بھی منہ سے نکلتا ہے، اس کے نگراں تیار بیٹھے ہیں۔ عن الیمین و عن الشمال قعید ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید۔

اس کے بعد پھر گویا ہوئے تو کہا کہ!

صبح سویرے اٹھ کر جو جو کام انسان کرتا ہے، صرف ان ہی کاموں کو نامۂ اعمال میں اسے دکھا دیا جائے تو شرم سے پانی پانی ہو جائے کہ ان میں کا ایک کام بھی ایسا نہ ہوگا جو اس کی دنیا یا دین کے کسی فائدے کا ہو۔

عطاء ابن ابی رباح کے علم سے اللہ نے ہر طبقے کو نفع پہنچایا حتی کہ پیشے کا نائی بھی ان کے علم سے بہرہ یاب ہوا اور اس سے بڑے بڑے ائمہ نے وہ علوم حاصل کئے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ اپنا واقعہ بیان کیا ہے کہ حج کے موقع پر مکہ میں ان سے پانچ مناسک میں غلطی ہوئی۔ جب احرام سے نکلنے کے لئے انہوں نے بال منڈوانا چاہا تو ایک حجام کے پاس گئے اور اس سے پوچھا کہ بال مونڈنے کی کیا اجرت لوگے؟ حجام نے کہا اللہ آپ کو ہدایت دے، عبادات میں شرط لگانا جائز نہیں ہے، آپ بیٹھئے، میں بال مونڈ دیتا ہوں آپ سے جو ہو سکے دیدیجئے گا۔

امام ابوحنیفہ شرمندہ سے ہوگئے، اور بیٹھ گئے۔

حجام نے ان کو پھر ٹوکا اور کہا کہ قبلہ رخ ہو کے بیٹھئے۔

امام ابوحنیفہؒ اور شرمندہ ہوئے۔

انہوں نے اپنے سر کا بایاں حصہ حجام کے روبرو کیا تاکہ وہ مونڈنا شروع کرے حجام نے کہا! بائیں کے بجائے دائیں حصہ سے حلق شروع ہوگا۔

امام ابو حنیفہؒ نے فوراً داہنا حصہ اس کے روبرو کیا۔

وہ نائی ان کے بال مونڈنے لگا، وہ خاموشی سے بال منڈواتے رہے۔ نائی نے پھر ٹوکا اور کہا کہ تکبیر پڑھتے رہئے۔

امام ابو حنیفہ تکبیر پڑھنے لگے، جب فارغ ہوئے تو اٹھ کر جانا چاہا، نائی نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟

امام ابو حنیفہ نے کہا: اپنی قیام گاہ جا رہا ہوں۔

نائی نے کہا: پہلے دو رکعت نماز پڑھ لیجئے تب جہاں چاہئے جائیے۔

امام ابو حنیفہ نے دو رکعت نماز ادا کی اور اپنے جی میں سوچنے لگے کہ یہ نائی تو بڑا ذی علم معلوم ہوتا ہے چنانچہ انہوں نے نائی سے پوچھا کہ یہ سارے مسائل تم کو کیسے معلوم ہوئے۔

نائی نے جواب دیا کہ "میں نے عطاء ابن ابی رباح کو ایسا ہی کرتے دیکھا تھا ان ہی کو دیکھ کر یہ سارے مناسک مجھے معلوم ہوئے اور پھر لوگوں کو بتانے لگا۔

## غزل

انور تلہری

اگر خوددار تھے تو دو قدم چل کر اٹھا لیتے
مرے کہنے کا مطلب ہے تمہیں ساغر اٹھا لیتے

جو محفل میں نہ کہنی تھی وہ تم نے بات کہہ ڈالی
اٹھانا ہی تھا کوئی مسئلہ دیگر اٹھا لیتے

چلو اچھا ہوا تم نے مجھے مجنوں نہیں سمجھا
حقیقت جانتے تو شہر یہ پتھر اٹھا لیتے

غریبوں بے کسوں کا رنج محرومی تو کم ہوتا
رئیس شہر اگر اپنے بھی کچھ چھپر اٹھا لیتے

خدا توفیق دیتا غم زدوں کے کام آ جاتے
زمانے بھر کی الجھنیں انور اٹھا لیتے



# فن نحو کی دو مفید کتابیں

## اسباق النحو اول و دوم

محمد ایوب اصلاحی

یہ ایک نہایت تعلق انگیز بات ہے کہ ہندوستان کے قدیم عربی مدارس میں عربی قواعد کی تعلیم عرصہ دراز سے اس طرح دی جاتی رہی ہے کہ آٹھ دس سال تک قرآن و حدیث، فقہ اور ادب و بلاغت وغیرہ علوم پڑھ لینے اور ان کے نکات و معارف حل کر لینے کے باوجود عربی زبان میں چند جملے اور دو چار سطریں لکھنے کی طلبہ کو قدرت حاصل نہیں ہوتی۔ اس کا ایک اور صرف ایک سبب ہے۔ وہ یہ کہ عربی زبان کے قواعد کی تعلیم بلا مشق و تمرین ہوتی ہے۔ شدید ضرورت ہے کہ مدارس عربیہ کا یہ نقص دور ہو، کیونکہ ایک طرف تو یہ ہماری ملی سرکاری زبان ہے اور دوسری طرف وہ دنیا کی تیسری بین الاقوامی زبان ہے جس کے بولنے والے ملکوں سے بقیہ عالم اسلامی کے ارتباط و اختلاط کے بہت زیادہ مواقع پیدا ہو گئے ہیں۔ اس لئے عربی زبان کو مزید اہتمام و سرگرمی سے سیکھنا ناگزیر ہے۔

الحمد للہ کہ ہندوستان کے بہت سے عربی مدارس نے عربی تعلیم کے اس نقص کو محسوس کر لیا ہے اور ان میں عربی قواعد کی تعلیم ایک زندہ زبان کی حیثیت سے دی جاتی ہے اور نحو و صرف کی تعلیم میں محض پڑھانے اور رٹانے پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ عملی تطبیق اور مشق و تمرین بھی ساتھ ساتھ چلتی ہے۔

عربی مدارس میں ابتدائی عربی قواعد کی تعلیم کو مفید تر بنانے میں علامہ فراہی رحمۃ اللہ علیہ ہی کو یہ اولیت حاصل ہے کہ انہوں نے اسباق النحو حصہ اول و دوم کے نام سے دو کتابیں مرتب کیں۔ یہ کتابیں جن مدارس کے نصاب تعلیم میں داخل

ہیں وہاں کے طلبہ ابتداءً یہی دو کتابیں پڑھ کر جس معیار کی صلاحیت رکھتے ہیں ہند و پاک کے بے شمار اصلاحی اور فلاحی اس کی زندہ شہادت ہیں۔

میں ایک عرصہ سے مختلف عربی مدارس کے مبتدی طلبہ کو صرف و نحو اور ادب و انشاء کی تعلیم دیتا چلا آرہا ہوں۔ مجھے جب بھی اس فن کی کسی نئی کتاب کے ظہور پذیر ہونے کا علم ہوا میں نے اس کا مطالعہ کیا اور جائزہ لیا تو اپنی معلومات کی حد تک پورے وثوق کے ساتھ یہ بات کہتا ہوں کہ فن تعلیم کے اعتبار سے ابتدائی درجات کے طلبہ کے لئے تین کتابوں سے زیادہ مفید کوئی کتاب میری نظر سے نہیں گزری: اسباق النحو حصہ اول و دوم، النحو الواضح ابتدائی و ثانوی اور ابتدائی ادب میں القراءۃ الرشیدہ۔ اس موقع پر میری گفتگو اول الذکر دونوں رسالوں تک ہی محدود رہے گی۔

مدرسۃ الاصلاح، جامعۃ الفلاح اور دوسرے مدارس جہاں یہ کتابیں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں ان کے علاوہ مدارس کے اساتذہ اور علماء جو قدیم طرز کی کتابیں پڑھتے اور پڑھاتے ہیں جب اس کتاب کو دیکھتے ہیں تو سرسری طور پر ورق گردانی کے بعد یہ فیصلہ صادر فرما دیتے ہیں کہ اس کتاب سے عربی نہیں آئے گی۔ میں یہ بات بے ثبوت نہیں کہہ رہا۔ اس ضمن میں مجھے جو سابقہ پیش آیا ہے اسے میں آپ کے سامنے عرض کر دینا چاہتا ہوں۔

میں ایک مدرسہ میں تدریس فریضہ انجام دے رہا تھا وہاں ایک صاحب جو عالم دین اور ماہر طبیب تھے اور مدرس بھی رہ چکے تھے۔ ہر چند ماہ کے بعد ایک غیر مسلم کے علاج کے سلسلے میں آیا کرتے اور میرے فارغ اوقات میں اپنا اچھا خاصا وقت میرے پاس گذارتے ایک ملاقات میں انہوں نے مجھ سے مشورہ طلب کیا اور کہا کہ "میں اپنے بچے کو عربی پڑھانا چاہتا ہوں تو بتاؤ کس کتاب سے اس کی ابتدا کروں؟" میں نے اسباق النحو کے دونوں حصے انکو دے کر کہا کہ "اپنی قیام گاہ پر ان کو غور سے پڑھ ڈالئے"۔ انہوں نے اگلے دن کی ملاقات میں کہا کہ "ان کتابوں سے عربی نہیں آئیگی



میں نے کہا "آپ نے اس کو سرسری طور پر پڑھکر یہ نتیجہ نکالا ہے"۔ آئیے میں اس کے پڑھانے کے طریقہ پر تفصیلی گفتگو کروں۔ پھر میں نے ان دونوں کتابوں کی خصوصیات، پڑھانے کے انداز، طالب علم سے محنت کرانے اور خود تیاری کرنے کی تفصیلات بتائیں اور کہا کہ اسی کی روشنی میں اپنے بچے کو پڑھائیے اور پھر تشریف لائیں تو اسکی افادیت یا عدم افادیت کا فیصلہ بتائیں۔ چنانچہ کئی ماہ کے بعد ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا "واقعی تمہاری بات صحیح تھی۔ یہ کتابیں بہت زیادہ مفید ثابت ہوئیں اور حق یہ ہے کہ ان کا کوئی بدل نہیں ہے۔ نیز انہوں نے ایک اور صاحب کا تذکرہ کیا کہ میں نے فلاں صاحب کو دونوں کتابیں دکھائیں تو انہوں نے کہا عربی کی سب سے اچھی ابتدائی کتاب ہے۔

## اسباق النحو اول کے خصائص

اسباق النحو حصہ اول اسم کے بیان پر مشتمل ہے۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ اسم کے بیان میں اعراب کی بحث نہایت اہم ہے۔ اس کتاب کی امتیازی شان اور اس کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اسم کی تمام قسمیں اور ان پر آنے والے اعراب کی صورتیں الگ الگ اسباق میں بیان کی گئی ہیں اور قاعدے نہایت آسان انداز میں اور مختصر طور پر سمجھائے گئے ہیں۔ پھر ہر سبق میں چند جملے دیے گئے ہیں اور استاد پر اس کی ذمہ داری ہے کہ ہر سبق میں طلبہ سے مشقی جملے اس مقدار میں کرائے جائیں کہ ہر نیا قاعدہ ان کے حافظے میں رچ بس جائے۔ نیز مشق و تمرین کے جملوں میں انکی نفسیات اور دلچسپی کا پورا لحاظ کیا جائے۔ تیز اور بتدریج غیر مشکل اعراب کے جملے دیے جائیں تاکہ مطالعہ کرنے کی استعداد اور عربی عبارت پڑھنے کی صلاحیت پیدا ہو سکے۔

دوسری خوبی یہ ہے کہ کتاب کے چند اسباق پڑھنے کے بعد ہی طلبہ چھوٹے چھوٹے اسمیہ جملے بنانے لگتے ہیں۔ جو طالب علم بھی کوئی غیر مادری زبان سیکھتا ہے

اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس زبان کو بولنے اور لکھنے لگے ۔ اچھا یہ طالب وہ اس کتاب میں پاکر مسرت محسوس کرتا ہے اور اس کا حوصلہ بلند ہوتا ہے ۔

محترم قارئین ! مدارس کے نصاب تعلیم اٹھا کر دیکھئے تو آپ پائیں گے قواعد کی ہر ابتدائی کتاب جو داخل نصاب ہے اس میں اعراب کی تمام قسمیں ایک جگہ جمع کر دی گئی ہیں اور ان سے متعلق جملے دے دیے گئے ہیں اسمیہ جملے بھی اور فعلیہ جملے بھی ۔ زیر گفتگو کتاب میں آپ کو غلط ملط جملے نظر آئیں گے بلکہ آپ دیکھیں گے کہ ہر قسم کا اسم اور اس کی صورت اعراب سمجھانے کے بعد اسمیہ جملے ہی دیے گئے ہیں

## اسباق النحو دوم کے خصائص

جس طرح اسم کے بیان میں اعراب کی بحث اہمیت رکھتی ہے اسی طرح صرف کے بیان میں اشتقاق کی بحث اہم ہے ۔ اعراب کی جملہ صورتوں اور نوع بنوع مشتقات پر طالب علم کو عبور حاصل ہو جائے تو عربی سیکھنے میں کسی قسم کی دشواری اور اشکال باقی نہیں رہتا ۔

میں اپنے مطالعہ کی بنا پر یہ کہتا ہوں کہ اسباق النحو دوم کو صرف کی تمام کتابوں پر فوقیت حاصل ہے ۔ اس میں اقسام فعل اور دوسرے مشتقات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ پہلے فعل صحیح ثلاثی مجرد کے تمام مشتقات سبقاً سبقاً پیش کیے گئے ہیں پھر مزید کے مباحث ہیں ۔ مجرد و مزید کے بنیادی اوزان سے فارغ ہونے کے بعد فعل معتل کی قسمیں اسی مجرد و مزید کے اوزان ترتیب سے دیے گئے ہیں ۔ مثال ، اجوف ، ناقص اور مہموز و مضاعف کے مشتقات کے مباحث نہایت مختصر قاعدوں کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں ۔ پھر مزید کے الفاظ و اوزان بہ ترتیب لکھے گئے ہیں ۔ ہر سبق کے ساتھ مشق و تمرین کے چند مادے دے کر گردانیں اور مشتقات بنانے کی ہدایت کی گئی ہے ۔ مزید مشق و تمرین کے لئے استاذ پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ افعال کی گردانیں لکھائے اور صیغے بنوائے ۔



آپ یہ ترتیب اور تقسیم قواعد کی کسی دوسری کتاب میں نہ پائیں گے اس کتاب کے تمام قواعد و مشتقات طالب علم کے ذہن میں محفوظ ہو جائیں تو لغت کی کتاب میں کسی لفظ کی تلاش میں ذرا بھی دشواری پیش نہ آئے گی ۔ پھر عبارت آسانی سے سمجھی جا سکے گی ۔ تجربہ اس کا شاہد ہے ۔

محترم قارئین ! آخر میں یہ عرض کر دوں کہ یہ دونوں کتابیں علامہ فراہی رحمۃ اللہ کی غیر مطبوعہ کتاب "النحو الجدید" سے ماخوذ ہے جس کا ذکر اسباق النحو حصہ اول کے کسی ایڈیشن میں موجود ہے ۔ مولانا اختر احسن اصلاحی مرحوم نے بھی ایک موقع پر میرے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ "یہ دونوں کتابیں "النحو الجدید" سے ماخوذ ہیں ۔

## غزل

ایم ۔ اے ۔ شمسی " دو گھروی "

تو اپنے آپ کو پہچان اپنا دام پیدا کر
زمانہ بھر میں جسکی قدر ہو وہ نام پیدا کر

بتا دے اپنی ہمت سے یزید کارا کے تیور
تو عزم کربلا میں قوت اسلام پیدا کر

شعاعیں بن کے سورج کی جہاں میں پھیل جا ہر سو
تو اپنی زندگی میں لذت انجام پیدا کر

عنادل بھی چہک اٹھیں ترانے وہ سنا کوئی
جناب میر سے ہٹ کر نیا پیغام پیدا کر

نئی نسلوں میں ہو ویسی کہ اب شعر کی خوبی ہو
کلام نو میں اپنے مومن وہ حسن نام پیدا کر

دعائے جینی رفعتوی فیوض حضرت ودود
بزرگوں کی طرح شمسی تو اپنا نام پیدا کر

# اسلامک فقہ اکیڈمی

پہلی قسط

## کے
## نویں فقہی سمینار منعقدہ ۱۱ر تا ۱۴ر اکتوبر کے موقع پر منظور شدہ قراردادیں

### (الف) شیئرز سے متعلق تجاویز

نویں فقہی سمینار منعقدہ جے پور کے شرکاء نے درج ذیل تجاویز منظور کیں۔

۱۔ کسی کمپنی کا خرید کردہ کوئی شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے وہ محض اس بات کی دستاویز نہیں ہے کہ اس نے کمپنی کو اتنی رقم دی ہے۔

۲۔ ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی ابتدائی خریداری جو ابھی سرمایہ اکٹھا کرنے کے مرحلے سے گذر رہی ہیں شرعاً خریداری نہیں بلکہ اس کمپنی میں شرکت ہے۔

۳۔ عام طور پر کمپنیوں کی دوسری املاک نقد سرمایہ سے زیادہ ہوتی ہیں، ایسی کمپنیز کے شیئرز کی خریداری درست ہے۔ لیکن اگر معلوم ہو جائے کہ ادا کردہ نقد اس مقدار نقد کے برابر یا اس سے کم ہے جس کی شیئرز نمائندگی کرتا ہے تو ایسی صورت میں شیئرز کی خریداری اس کی مقررہ قیمت سے کم یا زیادہ پر درست نہ ہوگا۔

۴۔ جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حرام ہے، مثلاً شراب و خنزیر کے گوشت کی تجارت یا سودی قرضے دینا وغیرہ ان کے شیئرز کی خرید و فروخت ناجائز ہے۔

۵۔ شرکاء سمینار کا احساس ہے کہ ہندوستان میں ایسی کمپنیز کا قیام قابل عمل ہے جو خالص اسلامی اصول تجارت کے مطابق کاروبار کریں، سمینار مسلم تجار اور ماہرین معاشیات کو اس طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ وہ اپنی دینی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے ایسی کمپنیز کے قیام کی جدوجہد کریں جو کامل طور پر اسلامی احکام پر کاربند ہوں۔



لیکن چونکہ فی الحال ایسی کمپنیاں ہندوستان میں موجود نہیں یا بہت کم ہیں جو خالص اسلامی بنیادوں پر کاروبار کرتی ہوں اس لئے جن مسلمانوں کے پاس نقد سرمایہ ہو اور اپنے مخصوص حالات کی بنا پر ان کے لئے جائز تجارت میں اس سرمایہ کو لگانا قابل عمل نہ ہو ان کے لئے ایسی کمپنیز کے شیئرز خریدنے کی گنجائش ہے جن کا بنیادی کاروبار حلال ہو (مثلاً انجینیرنگ کے سامان یا عام استعمال کی مصرفی چیزیں تیار کرنا)، اگرچہ انہیں بعض قانونی مجبوریوں کی وجہ سے سودی معاملات میں ملوث ہونا پڑتا ہو۔

۶۔ جن مسلمانوں نے ایسی کمپنیز کے شیئرز خریدے ہیں جن کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن وہ کمپنیز ضمنی طور پر بعض ناجائز تصرفات میں بھی ملوث ہوتی ہیں ان مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ شیئر ہولڈرس کی سالانہ میٹنگ میں کمپنی کو آئندہ ایسے ناجائز تصرفات سے روکنے کی کوشش کریں اور دوسرے شیئر ہولڈرس کو افہام و تفہیم کے ذریعہ اس بات پر آمادہ کرنے کی سعی کریں کہ وہ بھی ان کے نقطۂ نظر سے اتفاق کرتے ہوئے میٹنگ میں ان کی تائید کریں۔

۷۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور اس کی مقدار معلوم ہو تو شیئر ہولڈر کے لئے منافع میں سے اس کے بقدر صدقہ بلا نیت ثواب کر دینا ضروری ہے۔

۸۔ اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا گیا ہو تو جتنا فیصد کل آمدنی میں سود مخلوط ہو گیا ہے اسی تناسب سے ملنے والے منافع سے نکال کر بلا نیت ثواب اپنی ملک سے نکال دینا ضروری ہے۔

۹۔ کمپنی کی اپنی قانونی شخصیت ہے جو شیئر ہولڈرس کی اجتماعی حیثیت کی نمائندگی

---

**نوٹ:**۔ دفعہ ۷ اور دفعہ ۸ میں مولانا رئیس الاحرار ندوی کے نزدیک سودی رقم غیر مسلم ہی کو دی جائے۔

کرتی ہے، بورڈ آف ڈائرکٹرس کمپنی کے منتخب کردہ افراد کا مجموعہ ہے جو کمپنی کی طرف سے تصرفات کرتا ہے اور اس طرح شیئر ہولڈر کے مجموعہ کا وکیل ہے لہذا بورڈ آف ڈائرکٹرز کے تصرفات جو کمپنی کے مقرر کردہ اصول و ضوابط کی حدود میں ہوں گی بالواسطہ ذمہ داری سبھی شیئر ہولڈرس پر آتی ہے۔

۱۰۔ حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی تجارت کرنا درست ہے

۱۱۔ فیوچر سیل (Future sale) جس کا مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا بلکہ چڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع نقصان برابر کر دینا مقصود ہوتا ہے اسلامی شریعت کی نگاہ میں ناجائز ہے کیونکہ یہ کھلا جوا ہے۔

۱۲۔ غائب سودا (Forward sale) جس میں بیع تو ہو جاتی ہے لیکن اس کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے، بیع نہیں وعدہ بیع ہے، مقررہ تاریخ آنے پر ایجاب و قبول ہونے کے بعد ہی وجود میں آئے گی۔

۱۳۔ حاضر سودے (Cash sale or Spot sale) میں شیئر سرٹیفکٹ پر قبضہ سے پہلے خرید کردہ شیئرز کو فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا۔

۱۴۔ شیئر سرٹیفکٹ حاصل ہونے کے بعد خریدار کا اس پر قبضہ متحقق ہو جاتا ہے اگرچہ بعض انتظامی دشواریوں کی وجہ سے کمپنی میں اس کا نام اندراج نہ ہو سکا ہے، لہذا اس شیئر کو خریدار فروخت کر سکتا ہے۔

۱۵۔ جن شیئرز کی خرید و فروخت جائز ہے ان کی خرید و فروخت میں بروکر کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے، ناجائز اور حرام کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید و فروخت میں بحیثیت بروکر کام کرنا جائز نہیں ہے۔



# ابن ندیم کی جلیل القدر تصنیف الفہرست

ظریف شہباز ندوی

چوتھی صدی ہجری میں عالم اسلام خوفناک تاتاری یلغار اور مسلسل صلیبی یورشوں سے سیاسی فکری اور ثقافتی طور پر بری طرح انتشار و انحلال کا شکار ہو گیا تھا، بغداد اور اندلس کے سقوط سے عالم اسلام کا بیشتر فکری اور ثقافتی سرمایہ تباہ و برباد ہو چکا تھا اسی لئے اس دور کے علماء نے ماضی کے عظیم ثقافتی ورثہ کی حفاظت کے لئے تمام علوم و فنون کو بڑی اور ضخیم کتابوں میں جمع کرنے کا بیڑہ اٹھایا، جن کی حیثیت آج کل کے انسائکلوپیڈیا اور دائرۃ المعارف کی تھی، ان قدیم موسوعات میں ابن ندیم کی الفہرست کا ایک نمایاں مقام ہے۔

ابن ندیم اپنی کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں!

هذا فهرست كتب جميع الأمم من العرب والعجم الموجود منها بلغة العرب وقلمها في أصناف العلوم وأخبار مصنفيها وطبقات مؤلفيها وأنسابهم وتاريخ مواليدهم ومبلغ أعمارهم وأوقات وفاتهم وأماكن بلدانهم ومناقبهم ومثالبهم منذ ابتداء كل علم اخترع إلى عصرنا هذا وهو سنة سبع و ثلاثين وثلاث مائة هجرية۔

یہ عرب و عجم کی قوموں کی ان تمام کتب عربیہ کی فہرست ہے جو عربی زبان میں موجود ہیں یہ کتاب مختلف علوم و فنون، اور ان کتابوں کے مصنفین کے حالات طبقات اور انساب ان کی تاریخ پیدائش و وفات اور اوقات وفات ان کی عمروں، ان کے شہروں اور ان کے مناقب و مثالب پر مشتمل ہے، یہ ہر علم کی اختراع سے لے کر ہمارے آج تک کے زمانے یعنی ۳۳۷ ہجری تک کی ساحت پر حاوی ہے۔

# مؤلف کتاب کا تعارف

ابن ندیم نے اپنی کتاب میں ۹۹۶ علماء، فلاسفہ، ادباء، اور ان مترجمین جنہوں نے عربی میں لکھا ہو کا تذکرہ کیا ہے، اور ہر ایک کی اس کے میدانِ اختصاص میں ایک سے زیادہ کتابوں کا ذکر کیا ہے، اور ہر ایک کی تاریخ پیدائش و وفات، جائے پیدائش، عمر، مقام سکونت اور حاصل کردہ علوم کی تفصیل لکھی ہے، لیکن سخت تعجب کا مقام ہے کہ اس سب کے باوجود کتب تراجم ابن ندیم کی زندگی کے بارے میں خاموش ہیں، یہاں تک کہ صاحب وفیات الاعیان ابن خلکان تک نے ابن ندیم کے حالات سے تعرض نہیں کیا، اسی طرح فوات الوفیات جو وفیات کا استدراک ہے، کے مؤلف نے بھی اس سے چشم پوشی کی ہے۔ نیز اگر کسی نے کچھ لکھا بھی ہے تو وہ حد درجہ ناقص جس سے ابن ندیم کے حالاتِ زندگی پر مکمل روشنی نہیں پڑتی۔ مثلاً یاقوت حموی نے اس کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ چند سطروں سے زیادہ نہیں، وہ لکھتے ہیں "

محمد بن اسحق النديم كنيته ابو الفرج وكنية ابيه ابو يعقوب، مصنف كتاب الفهرست الذي جود فيه و استوعب استيعابا، يدل على اطلاعه على فنون من العلم وتحققه لجميع الكتب، ولا ابعد ان يكون وراقا يبيع الكتب، وذكر في مقدمة هذا الكتاب انه صنفه في سنة سبع وثلاث ماة، وله من التصانيف فهرست الكتب وكتاب التشبيهات، وكان شيعيا معتزليا۔

محمد بن اسحاق الندیم، ان کی کنیت ابو الفرج اور ان کے باپ کی کنیت ابو یعقوب ہے، وہ کتاب الفہرست کے مصنف ہیں جس میں انہوں نے جودت و استیعاب سے کام لیا ہے اور جس سے ان کی وسیع معرفت اور تمام کتابوں کے بارے میں علم کا پتہ چلتا ہے، اور یہ بات بعید نہیں کہ وہ وراق اور کتب فروش تھے، کتاب کے مقدمہ میں مذکور ہے کہ وہ ۳۷۷ھ میں لکھی گئی۔



ان کی دوسری تصانیف میں فہرست الکتب اور کتاب التشبیہات ہے اور وہ شیعی معتزلی تھے۔ یہ کل داستان ہے جو یاقوت نے بیان کی ہے، اسماء نہ تو ان کی جائے ولادت و تاریخ ولادت کا پتہ چلتا ہے نہ ان کی زندگی کے بارے میں کچھ روشنی پڑتی، نہ ہی یہ معلوم ہوتا کہ انہوں نے کن علوم کی تحصیل کی اور کن اساتذہ سے کسب فیض کیا، اور کب ان کی وفات ہوئی۔ اس سلسلہ میں ابن النجار بھی اپنی کتاب ذیل تاریخ بغداد میں چند الفاظ سے زیادہ نہ لکھ سکے،

ان ابن النديم صنف كتاب الفهرست في شعبان سنة ۳۷۷ھ ومات يوم الاربعاء لعشر بقين من شعبان سنة ۳۸۵ھ

ابن ندیم نے الفہرست کی تالیف شعبان ۳۷۷ھ میں کی اور بدھ کے دن شعبان کی بیس تاریخ ۳۸۵ھ میں وفات پائی۔

گرچہ کہ ابن النجار کے قول سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ الفہرست کی تکمیل شعبان ۳۷۷ھ میں ہو گئی تھی، لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ شعبان ۳۷۷ھ تک انہوں نے کتاب کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ الفہرست میں خود ابن ندیم نے متعدد بار اشارہ کیا ہے کہ انہوں نے اس کتاب کی تکمیل ۳۷۷ھ میں کر لی تھی چنانچہ پہلے مقالہ کے آخر میں وہ لکھتے ہیں۔ ھذا آخر ما صنفناہ من المقالۃ الاولیٰ من کتاب الفہرست، الی یوم السبت مستہل شعبان سنۃ ۳۷۷ھ (یہ کتاب الفہرست کے پہلے مقالہ کا آخری حصہ ہے جس سے ہم بروز سنیچر آغاز شعبان ۳۷۷ھ میں فارغ ہوئے) تاہم جیسا کہ الفہرست ہی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تاریخ کے بعد بھی کتاب میں اضافات ہوئے ہیں، مثلاً مرزبانی کے ترجمانی میں انہوں نے لکھا ہے کہ انہ توفی سنۃ ۳۷۸ھ، اور ابن جنی کی تاریخ وفات ۳۹۲ھ اور ابن [illegible] کی [illegible] لکھی ہے۔ اور یہ صاف طور پر مؤلف کی اس تصریح سے کہ انہوں نے الفہرست ۳۷۷ھ میں لکھی اور ابن النجار کی ذکر کردہ تاریخ وفات ۳۸۵ھ سے متناقض ہے، لہٰذا معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مؤلف نے ۳۷۷ھ میں کتاب کی تسوید مکمل کر لی تھی اور مختلف

مقامات پر بیاض چھوڑ دی تھی جس کی تکمیل وہ بعد میں کرتے رہے، اسی طرح اصل نسخہ میں بھی مختلف تعلیقات بعد میں بڑھائیں۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مرزبانی کے ترجمہ میں ابن ندیم نے لکھا ہے "ان مولدہ فی جمادی الآخرۃ سنۃ ۲۹۷ھ ویحیی الی وقتنا ھذا وھو سنۃ ۳۷۷ھ" وتوفی سنۃ ۳۸۴ھ

اب ظاہر ہے کہ "یحیی الی وقتنا ھذا" اور "توفی سنۃ ۳۸۴ھ" دونوں جملے ایک ہی وقت کے لکھے تو ہو نہیں سکتے۔ لامحالہ دونوں کے لکھنے کا زمانہ مختلف ہوگا۔ نیز مصنف بعد میں خود بھی حذف و ترمیم اصل کتاب میں کرتے رہے ہونگے اور بعد کے علماء نے بھی زیادات و استدراکات کا سلسلہ جاری رکھا ہوگا، جس کا مطالبہ خود مصنف نے کیا تھا، چنانچہ الحسن بن علی کے تذکرہ میں لکھتا ہے۔ "وزعم الیزیدی ان له۔ الحسن بن علی۔ نحوا من مأۃ کتاب، ولم نرھا فان رای ناظر فی کتابنا شیئا منها الحقها بموضعها۔"

یزیدی کا دعوی ہے کہ حسن بن علی کی قریبا سو کتابیں ہیں، ہم نے انہیں دیکھا اگر ہماری اس کتاب کا کسی قاری کو ان کی کوئی کتاب ملے تو وہ متعلقہ مقام پر اسے لاحق کر دے۔

## نام ونسب

اس سے قبل ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ ابن ندیم کے بارے میں زیادہ تفصیلات کتب تراجم میں نہیں ملتیں، اور چند نصوص بھی اسی خصوص میں ہم ذکر کر چکے ہیں، ان پیش کردہ نصوص کے بعد ابن ندیم کے بارے میں لکھنے والے کو الفہرست پر تکیہ کرنا پڑتا ہے، اور اس کی مختلف کڑیاں جوڑ کر ان کی زندگی کا ایک مرقع بنانا پڑتا ہے۔

ابن ندیم کے بارے میں اختلاف واقع ہوا ہے، الفہرست پر کام کرنے والوں کی اکثریت ان کا نام محمد بن اسحاق بیان کرتی ہے، جبکہ بعض دوسرے سوانح نگاروں کی رائے میں ان کا نام محمد ابن الندیم تھا، جسے ابن الندیم ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ان کی کنیت میں بھی اختلاف ہے، بعض نے



ابو الفتح لکھی ہے، اور بعض نے ابو الفرج۔ قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مولد ومنشا بغداد تھا، ابن اصیبعہ نے بھی اس کی تائید کی ہے اپنی کتاب طبقات الاطباء میں وہ لکھتا ہے محمد بن اسحاق الندیم البغدادی کتاب الفہرست
ابن اصیبعہ نے "عیون الانباء فی طبقات الاطباء" میں مختلف مقامات پر ابن ندیم کے حوالے دیئے ہیں (ملاحظہ ہوں صفحات ۲۶۰، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۲۹، ۴۳۰، ۱۲۱۴)

## پیدائش ونشوونما

ابن ندیم کی پیدائش کی تعیین ایک مشکل امر ہے، الفہرست کے مندرجات سے جو کچھ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ صفوانی کے ترجمہ میں ابن ندیم لکھتے ہیں "تقیۃ ۳۴۶ھ" اور مرزبانی کے ترجمہ میں وہ تصریح کرتے ہیں کہ "رأیته سنۃ ۳۳۴ھ وکان فی انشاء" میں نے ۳۳۲ھ میں اسے دیکھا، وہ بڑھاپے کا سن تھا اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس سن تک ابن ندیم زندہ ہی نہیں بلکہ نوجوان تھے اور اپنی ملاقات کا حال بیان اور تاریخ وغیرہ ضبط کرسکتے تھے۔ بعض لوگوں نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ وراق تھے اور بعض کہتے ہیں کہ کاتب بھی تھے بہرحال، ان دونوں پیشوں سے انہیں الفہرست کی تالیف میں کافی مدد ملی ہوگی، وراقت کتابوں کی نقل کرکے اس کی تصحیح و تجلید اور خرید وفروخت کو کہتے تھے، گویا کہ وہ آج کی زمانہ کی طباعت اور نشر واشاعت کے قائم تھا، بلکہ بعض حیثیتوں سے اس سے بھی زیادہ تھا کیونکہ ایک وراق کا کام یہ تھا کہ وہ کتابیں منتخب کرتا، ان کی نقل کرتا یا اپنی نگرانی میں کراتا، اور پھر نقل کردہ نسخوں کی تصحیح کرتا، تاکہ کوئی تحریف وتغیر نہ ہوسکے، اس کے بعد مجلد کرکے ان کی تجارت کرتا تھا، ابن ندیم کے زمانہ میں یہ پیشہ عام تھا، اور بہت سے کبار علماء بھی اسے اختیار کیا کرتے تھے، اس زمانہ کی جو کتابیں ملتی ہیں وہ اپنی وسعت اور اس پیشہ کے مقبول عام ہونے کی شاہد ہیں۔ یاقوت حموی۔ جو خود ایک وراق تھے اور جنہوں نے اپنے پیچھے ایک بڑا کتب خانہ چھوڑا جس سے ابن اثیر صاحب

الکامل نے فائدہ اٹھایا۔ نے بہت سے علماء اور ادباء کا تذکرہ کیا ہے جو وراقۃ کے پیشہ سے منسلک تھے، کتابت (دیوانی) کا پیشہ بھی بہت ہی معزز سمجھا جاتا تھا اور وہ مختلف علوم وفنون کی معرفت کے ساتھ ہی وسعت اطلاع کا مقتضی بھی تھا، وہ وسعتِ علم جو قلقشندی کی صبح الاعشیٰ اور نویری کی نہایت العرب میں نظر آتی ہے، چنانچہ ان دو پیشوں کی بدولت ابن ندیم کو عربی زبان میں پائے جانے والے دینی، فلسفیانہ، تاریخی، ادبی، اور دوسرے علوم انسانی کی وسیع معرفت حاصل ہو گئی تھی، جس کا ثمرہ الفہرست کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ وقت نظری کے ساتھ حق وصواب کی جستجو اس پر مستزاد ہے جس نے کتاب کی قیمت مزید بڑھادی ہے، جس چیز کو مؤلف نے دیکھا اور جو دوسروں سے سنی ہے اسکی تصریح کردی ہے اور ذمہ داری سے سبکدوش ہو گیا ہے بہت سی وہ کتابیں جو عالم اسلام پر مسلسل بیرونی حملوں کے باعث تباہ شدہ کتب خانوں میں ضائع ہو گئیں۔ آج انکے نام وغیرہ بھی ابن ندیم ہی کی بدولت معلوم ہو جاتے ہیں۔

ابن ندیم قسطنطنیہ بھی گئے ؟ اس سلسلہ میں الفہرست کی ایک عبارت سے مشہور مستشرق فلوگل نے یہی نتیجہ نکالا ہے۔ اس کی رو سے وہ ۳۷۷ھ میں وہاں تھے، وہ عبارت یوں ہے کہ ابن ندیم نے اہل چین اور ان کے خیالات وحالات کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک نجرانی پادری سے جو چین میں کئی سال گزار کر آیا تھا، اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے یہ ملاقات دار الروم نامی ایک جگہ میں ہوئی تھی، عبارت کے الفاظ یوں ہیں۔

| | |
|---|---|
| فلقيته بدار الروم وراء البيعة | میری ملاقات اس سے گرجا کے پیچھے |
| ورأيت رجلاً شاباً حسن الهيئة | دار الروم میں ہوئی میں نے پایا کہ وہ نوجوان |
| قليل الكلام الا ان يسأل فسألته عن | اور خوبرو اور کم گو شخص ہے سوال کرنے پر |



پردہ ہوتا تھا، چنانچہ میں نے اس سے استفسارات کیے

دار الروم سے فلوگل نے یہ مفہوم لیا ہے کہ وہ قسطنطنیہ ہے، اور وہ گرجا جہاں ملاقات ہوئی تھی وہی ہے جسے بعد میں مسجد ایا صوفیہ میں تبدیل کر دیا گیا، مگر فلوگل کا یہ استنتاج صحیح نہیں، چنانچہ دوسرے مستشرقین بھی اس بارے میں اس کی موافقت نہیں کرتے، دار الروم سے مراد بغداد ہی کا ایک محلہ ہے جس میں رومی لوگ رہتے تھے اور وہ گرجا بھی اسی محلہ میں واقع تھا، جیسا کہ قاہرہ مصر میں بھی ایک محلہ حارۃ الروم کے نام سے پایا جاتا ہے، تاریخ بھی اسی کی تائید کرتی ہے کہ اسے مذکور کو جاثلیق کبیر نے چین بھیجا تھا، پھر جب وہ دوبارہ بغداد لوٹا تو قیاس یہی کہتا ہے کہ وہ بغداد والا ہی جاثلیق ہوگا جس نے اسے بھیجا تھا، اور پادری بغداد ہی سے گیا، وہیں لوٹ کر آیا، اور وہیں ابن ندیم کی اور اسکی ملاقات ہوئی نہ کہ قسطنطنیہ میں۔

## الفہرست کی اہمیت

حقیقت ہے کہ الفہرست نہایت نفیس اور قیمتی ذخیرہ ہے جو تمام علوم اور ان کی اقسام اور ان میں لکھی گئیں یا ترجمہ کی گئیں کتابوں کو مع مؤلفین کے مختصر حالات زندگی کے حاوی وشامل ہے۔ اس طرح اپنے موضوع پر چوتھی صدی تک کی یہ سب سے زیادہ جامع کتاب ہے، اور اس عہد کے مسلمانوں کی عقلی وعلمی زندگی کا سب سے بڑا اور مکمل وثیقہ ہے۔ عالم اسلام پر اعداء کی مسلسل یلغاروں اور یورشوں کے سبب سے اس وقت کی اکثر کتابیں ضائع ہو چکی ہیں جن میں زیادہ تر وحشی تاتاریوں کے ہاتھوں دار الخلافہ اور عالم اسلام کے سب سے بڑے تہذیبی وثقافتی مرکز بغداد کی تباہی کی نذر ہو گئیں، الفہرست کے ذریعہ سے ان کے نام ونشان اور اوصاف معلوم ہو جاتے ہیں گویا الفہرست کے بغیر اس عظیم ورثہ کا کوئی پتہ بھی نہ ملتا۔

## اپنے عصر کی ترجمان

الفہرست کو دیکھنے سے تعجب ہوتا ہے کہ عہد عباسی میں علمی نشاط کا کیا عالم اور علوم و فنون کے مختلف گوشوں میں مصنفین و مترجمین کی کتنی کثرت تھی، جیسا کہ ابن ندیم کی وسعت اطلاع اور مختلف مذاہب کی دقیق سے دقیق تفاصیل کی معرفت پر عش عش کرنا پڑتا ہے، جس کا حال یہ ہے کہ وہ جیسے شام وعراق کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں ایسے ہی چین اور ہندوستان کے سلسلہ میں بھی نہایت درجہ استقصاء سے کام لیتے ہیں۔ افلاطون پر ویسے ہی کلام کرتے ہیں جیسے فارابی پر، نیز مختلف قوموں اور ملتوں، ادیان و مذاہب کے اشخاص و رجال سے ملاقات کر کے براہ راست ان سے معلومات حاصل کرتے اور باریک جزئیات تک نقل کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ابن ندیم کی کتاب ہر عہد کے باحثین اور محققین کا مرجع بنی رہی، وہی ابن اصیبعہ صاحب طبقات الاطباء، اور قفطی صاحب اخبار الحکماء کا مرجع تھی، وہی تاریخ التمدن الاسلامی میں جرجی زیدان کا مرجع رہی، اسی نے صابئہ کی تحقیق میں مستشرق خولسن کا ساتھ دیا، وہ مانی کے سلسلہ میں فلوگل کی تحقیق کا سہارا تھی، آج بھی وہ ہر باحث اور محقق کے لئے مرکز توجہ ہے۔

## اسلوب تحریر

ابن ندیم کا تحریری اسلوب منفرد ہے، اور اس زمانے کے بہت کم مؤلفین نے اس طرز کو اختیار کیا ہے، ان کا اسلوب حشو و زوائد مقدمات، اور ادائیگی معنی میں طول کلامی سے اجتناب، اور میانہ روی سے متصف ہے، وہ بغیر کسی تمہید و اشارات کے نفس موضوع پر کلام شروع کر دیتے ہیں، جس کی بہترین مثال الفہرست کا مقدمہ ہے، اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے:

| | |
|---|---|
| ربّ یسّر برحمتک النفوس اطال | یا خدا لوگوں پر اپنی رحمت آسان کر دے |
| الله بقاءک تشرئب الی النتائج دون | خدا تمہیں سلامت رکھے، تم مقدمات کی |
| المقدمات، وترتاح الی الغرض المقصود | بجائے نتائج کے متمنی رہتے ہو، اور |



| | |
|---|---|
| دون التطویل فی العبارات | طول کلامی کی بجائے مقصد تمہیں محبوب ہے |
| فلذلک اقتصرنا علی هذه | اس لئے ہم نے کتاب کے شروع میں ان کلمات |
| الکلمات فی صدر کتابنا | پر اکتفا کیا ہے کیونکہ ان سے کتاب لکھنے کی |
| هذا اذ کانت دالة علی ما قصدناه فی تألیفه[1] | ہماری غرض واضح ہو جاتی ہے۔ |

پھر وہ کتاب کے ابواب کو مرتب انداز میں ذکر کرتے ہیں، اور اس وقت وایجاز سے موضوع پر گفتگو شروع کرتے ہیں کہ اپنی جگہ سے ایک جملہ بھی حذف نہیں کیا جا سکتا، اس دلیل سے کہ اس کا لفظاً یا معنیً تکرار آگیا ہے۔ ابن ندیم کا دوسرا امتیاز یہ ہے کہ وہ جھوٹ سچ اور مسموع و مشاہد میں فرق کرتا ہے۔ قاری کے لئے باعث استعجاب امر یہ ہے کہ وہ پوری امانت و صدق بیانی کے ساتھ معلومات صفحۂ قرطاس پر منتقل کرتے ہیں۔ نیز عبارت آرائی اور کلام کو مزین کرنے کے بجائے ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اپنے مقصود کو بالضبط ادا کر دیں۔ کتاب الفہرست میں علوم اور ان کے مدونین کی تاریخ کے بارے میں قیمتی اور اہم ملاحظات ہیں، پوری کتاب ۱۰ مقالات پر منقسم ہے، ابن ندیم ایک مقالہ کو جزء سے تعبیر کرتے ہیں، دیکھئے الفہرست صفحہ ۲۰۲ طبع، اور ہر مقالہ کئی فنون پر مشتمل ہے۔

## کتاب کے اقسام

۱ پہلا مقالہ تین فنون کو شامل ہے، پہلا فن عرب و عجم کی لغات، ان کے مصنفین، مضامین اور ان میں ہونے والی تصنیفات کے اقسام کے بارے میں ہے، دوسرا فن آسمانی شریعتوں کی کتابوں کے اسماء پر گفتگو کرتا ہے، اور تیسرا قرآن کریم، اس کے علوم پر لکھی گئی کتابوں، قراء اور رواۃ کے ناموں اور شاذ قراءتوں کے سلسلہ میں ہے۔

۲ دوسرا مقالہ بھی نحو و نحویین کے سلسلہ میں تین فنون پر مشتمل ہے، پہلے فن میں نحو کی ابتداء، اور مدرسۂ بصرہ اور فصحاء عرب اور ان کی کتابوں کا تذکرہ ہے، دوسرے فن میں مدرسۂ کوفہ، اس کے اساطین نحو و لغت اور ان کی کتابوں کا تذکرہ

ہے۔ اور انکی کتابوں کا تذکرہ ہے۔ اور تیسرے فن میں ان نحویوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جو دونوں مدرسوں کے جامع تھے، ان کی کتابوں کا تعارف بھی کرایا گیا ہے۔

۳۔ تیسرا مقالہ، اخبار، آداب، سیر اور انساب تین فنون پر تقسیم ہے۔ پہلے فن میں اخباریین، رواۃ، اور علماء انساب اور اصحاب سیر و وقائع اور ان کی کتابوں کے نام ذکر کیے گئے ہیں، دوسرے فن میں بادشاہوں، ادباء، عمال خراج، منشی اور انکی کتابوں کا تذکرہ ہے۔ تیسرا فن ندماء، جلساء، مغنیوں اور مضحکین کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔

۴۔ چوتھا مقالہ شعر و شعراء پر ہے، اس میں دو فن ہیں پہلا فن جاہلی، اور مخضرم اسلامی شعراء کے طبقات، ان کے دواوین کے مرتبین اور رواۃ کے اسماء کے بارے میں ہے، اور دوسرا فن اسلامی اور مؤلف کے عصر تک کے محدثین شعراء کے سلسلہ میں ہے۔

۵۔ پانچواں مقالہ علم کلام اور متکلمین کے اوپر ہے، اس میں پانچ فن ہیں پہلے فن میں علم کلام کی ابتداء، اور مرجئہ و معتزلہ متکلمین اور ان کی کتابوں کا تذکرہ ہے۔ دوسرے میں شیعہ امامیہ اور زیدیہ اور اسماعیلیہ وغیرہ غالی شیعوں اور ان کی کتابوں کے اسماء بیان کیے گئے ہیں، تیسرے فن میں جبریہ حشویہ اور ان کی کتابوں کے نام ہیں چوتھا فن متکلمین خوارج، انکی قسموں اور کتابوں کے اسماء سے بحث کرتا ہے، پانچواں فن زاہدوں، سیاحوں متصوفین اور ومانی متکلمین اور انکی کتابوں پر ہے۔

۶۔ چھٹا مقالہ فقہ اور فقہاء و محدثین کے سلسلہ میں آٹھ فنون پر منقسم ہے، پہلے فن میں امام مالک، ان کے اصحاب اور مصنفات کا بیان ہے، دوسرے میں امام اعظم ابو حنیفہ، ان کے اصحاب، اور انکی کتابوں کے اسماء کی تفصیل ہے، تیسرے میں امام شافعی، ان کے اصحاب اور ان کی مؤلفات کا ذکر ہے، چوتھا فن امام داؤد ظاہری ان کے اصحاب اور ان کی تصنیفات کا تذکرہ کرتا ہے پانچویں فن میں فقہاء شیعہ اور انکی کتب سے بحث کی گئی ہے چھٹا فقہاء، محدثین



اور محدثین اور انکی گراں قدر تصنیفی کاوشوں پر روشنی ڈالتا ہے، ساتواں ابوجعفر طبری ان کے اصحاب اور انکی کتابوں کے اسماء پر مشتمل ہے آٹھواں فن فقہاء خوارج اور انکی کتابوں سے بحث کرتا ہے۔

۷۔ ساتواں مقالہ فلسفہ اور علوم قدیمہ کے اوپر تین فنون کو متناول ہے، پہلا فن فلاسفہ طبیعیات اور مناطقہ ان کی کتب، کتابوں کی نقول، شروح اور مذکور معدوم و موجود کتابوں کا ذکر کرتا ہے۔ دوسرا فن کار مہندس، انساب اور موسیقی کے ماہرین، قدیم و جدید ریاضی داں، حیلوں اور مختلف حرکات کے ماہرین کے بیان میں ہے، تیسرا فن طب کی ابتداء، اطباء و حکماء، انکی کتابوں، کتب کی نقول اور شروحات سے بحث کرتا ہے۔

۸۔ آٹھواں مقالہ اسماء، خرافات، جادو ٹونے، اور شعبدہ بازی کے بارے میں تین فنون پر مشتمل ہے، پہلے فن میں قصہ گو، داستان گو، مصور اور اسمار و خرافات کے سلسلہ میں لکھی گئی کتابوں کا تذکرہ ہے، دوسرے فن میں جادو ٹونے کرنے والوں اور شعبدہ بازوں اور ان کی کتابوں کا تذکرہ ہے، جبکہ تیسرے فن میں مختلف میدانوں، اور متنوع مضامین میں لکھی گئیں ان تصنیفات کا ذکر ہے، جن کے مصنفین اور مؤلفین کے اسماء و حالات تاریکی میں ہیں۔

۹۔ نواں مقالہ مختلف مذاہب و عقائد کے اوپر ہے، جس میں دو فن ہیں پہلا فن حرانیوں اور کلدانیوں (جو آج کی معروف اصطلاح میں صابئین کہلاتے ہیں) کے مذاہب کا بیان کرتا ہے۔ اور مانی، دیصانی، خرمی، مرقیونی اور مزدکی جیسے ثنویہ مذاہب کے معتقدات و خیالات اور انکی کتابوں کا ذکر کرتا ہے، دوسرا فن ہندوستان و چین کے اور ان جیسے دوسرے عجیب و غریب مذاہب کا بیان کرتا ہے۔

۱۰۔ دسواں مقالہ قدیم و جدید کیمیائی د        فلاسفہ و حکماء سے بحث کرتا ہے اور ان کی کتابوں کے بیان پر مشتمل ہے۔[1]

## الفہرست کی طبعات

الفہرست ۱۸۷۱ء میں مستشرق گستاف فلوگل نے لیپیک میں شائع کی تھی پھر ۱۹۶۲ء میں مکتبہ خیاط بیروت نے اس کا باتصویر ایڈیشن شائع کیا، پھر ۱۳۴۸ھ میں قاہرہ کے مکتبہ تجاریہ نے اور ۱۳۴۸ھ میں مطبعہ رحمانیہ نے الفہرست کے نئے ایڈیشن شائع کیے۔[۱۳]

## ابن ندیم اور جدید مؤرخین

قدیم مورخین نے ابن ندیم کے سلسلہ میں جو اغفال برتا ہے، وہ عصر جدید میں برقرار نہیں رہا۔ چنانچہ صدی میں ابن ندیم کے ساتھ کافی اعتنا کیا گیا، اور آج علمی حلقوں میں ابن ندیم اور اس کی الفہرست کو ایک نمایاں مرجعیت کا مقام حاصل ہے خیرالدین زرکلی نے "اعلام" میں اس کے حالات لکھے، الموسوعة العربية الميسرة نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے، نیز عصر جدید کے ایک بڑے مؤرخ اور ناقد دکتور عمر فروخ نے اپنی کتاب تاریخ الادب العربی میں ابن ندیم کا ترجمہ لکھا ہے اور تاریخ آداب العربیة کے مؤلف شہیر جرجی زیدان نے ابن ندیم کے بارے میں یہ لکھا ہے[۱۴] "آداب لغت میں سب سے پہلے ابن ندیم نے لکھا، اس نفیس یادگار کو مستشرق فلوگل نے لیڈن میں ۱۸۷۱ء میں بڑے سائز کے ۴۶۰ صفحات پر مشتمل مجلد میں شائع کیا تھا فہارس اور تعلیقات، جو جرمن میں تھے، یہ بھی تقریباً اپنے ہی صفحات میں آئے، الفہرست کے شائع ہونے کے بعد اس کا ایک گمشدہ حصہ جو پانچویں مقالہ کے شروع سے صفحہ ۱۷۰ تک چلا گیا ہے، ملا یہ ٹکڑا علم کلام کے بعض اساطین، واصل بن عطاء، علاف نظام، ثمامہ، جاحظ ابن ابی داؤد، ابن الراوندی، فاشی جبائی، رمانی، شیطان الطاق اور ہشام ابن الحکم جیسے سرخیل علماء متکلمین کے تراجم پر مشتمل تھا، یہ ٹکڑا ۱۸۹۱ء میں ایک جرمن مجلہ میں شائع ہوا تھا، الفہرست ایک نفیس علمی وادبی ذخیرہ ہے کیونکہ قرون اولی



میں عربی زبان وادب کے بعض وہ احوال اس میں مل جاتے ہیں جن سے کسی دوسرے نے تعرض نہیں کیا، جبکہ تاریخ آداب ولغت کے سلسلہ میں ان کا مطالعہ ناگزیر ہے ـــ ہر مقالہ کو کئی فنون میں تقسیم کرنے کے بعد انہوں نے ایک ایک فن میں کئی کئی فصلیں قائم کی ہیں، جن میں سے ہر فصل کے ذیلی عناوین الگ ہیں خلاصہ کلام یہ ہے کہ الفہرست ہمارے ماضی کے روشن اوراق کی تاریخی، ادبی، علمی اور فنی دستاویز ہے، جس کی قیمت کسی زمانہ میں کم نہیں ہو سکتی ہے۔

## حواشی وحوالہ جات

1. الفہرست صفحہ ۸، طبع قاہرہ
2. المعجم الادباء یاقوت حموی، تحقیق مرگیولٹ، ص ۱۷ - ۱۸ -
3. مجلة الفيصل الثقافية شمارہ ۶ (۱۲۶) ص ۵۵
4. مقدمة الفہرست صفحہ ۳
5. مجلة الفيصل صفحہ ۵۶، شمارہ ۶ (۱۲۲)
6. مقدمہ الفہرست ص ۴
7. عیون الانباء، الفیصل صفحہ ۵۶
8. مجلة الفيصل الثقافية (شمارہ ۶ (۱۲۶) صفحہ ۵۶
9. حوالہ سابق
10. حوالہ سابق
11. الفہرست صفحہ ۵ -
12. الفیصل ۵۷، ۵۸
13. حوالہ مذکور
14. تاریخ آداب اللغة العربية جرجی زیدان جزء ثانی صفحہ ۳۶۵، طبع قاہرہ

# فانی کی کائنات غم

ابو شیر منظر فلاحی
متعلم جامعہ ملیہ اسلامیہ

غم کیا ہے؟ اس کا جواب مختلف لوگ مختلف انداز سے دیں گے۔ زرتشت نے غم کو خیر و شر کی آویزش اور اہرمن کی عارضی فتح سے تعبیر کیا ہے، ہارڈی اسے ایک بے رحم اور ظالم نیچر کی کارفرمائی پر محمول کرتا ہے ایک صوفی کے نزدیک غم حساس انفرادیت یا پردہ جدائی کا لازمہ ہوگا جب کہ اقبال اسے خودی کی آزمائش اور ارتقائے خودی کی لازمی شرط قرار دیتے ہیں۔ ماہرین نفسیات کے نزدیک غم ایک فطری جذبہ ہے، جو ہماری خواہشوں کی تسکین میں موانع پیش آنے سے پیدا ہوتا ہے۔

غم کی تعریف میں خواہ کوئی بھی انداز و اسلوب اختیار کیا جائے، یہ بات مسلم ہے کہ اس کے وجود سے مجال انکار نہیں۔ غم پوری زندگی کا احاطہ کرتا ہے، جب کہ خوشی ایک عارضی شے ہے، جو مشکل سے حاصل ہوتی ہے اور بہت جلد ختم بھی ہو جاتی ہے۔ مسعود حسن رضوی ادیب غم کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"اب رہا غم تو وہ شاعری کے لئے خوشی سے کہیں بہتر موضوع ہے۔ اس لئے کہ خوشی انسان کے پست جذبات کو متحرک کرتی ہے اور غم بلند ترین حسیات کو بیدار کرتا ہے۔ کامیڈی کے مقابلے میں ٹریجڈی کی افضلیت کا یہی راز ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ غم کے جذبات میں



وہ زور پیدا ہوتا ہے کہ شاعر ان کے اظہار پر مجبور ہوتا ہے"

ہماری حزنیہ شاعری کی کہانی میر کی پردرد زندگی سے شروع ہو کر مغلیہ سلطنت کے آخری تاج دار بہادر شاہ ظفر اور دلی کی تباہی پر ختم ہوتی ہے اور اس کہانی کی آخری قسط فانی بدایونی کی روداد غم ہے، جس کا آغاز و انجام انہیں کی ذات ہے۔

جن شاعروں کے ساتھ ناقدین فن نے اچھا برتاؤ نہیں کیا ہے، فانی ان میں سر فہرست ہیں۔ فانی بدایونی جن کے بارے میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ان کے اشعار زندگی سے حوصلہ چھین لیتے ہیں۔ اسی لئے کسی نے انہیں قسطوں میں مرنے والا شاعر قرار دیا تو کچھ ایسے بھی ہیں، جنہیں فانی کے اشعار میں کفن و کافور کے علاوہ کچھ نہ ملا۔ مقصدی شاعری کرنے والے چاہے ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہوں یا کسی اور گروہ سے۔ سب کے نزدیک فانی کا ادبی مقدر مختلف شدائد کا شکار رہا۔

فانی کو سمجھنے کے لئے ان کے عہد کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ وہ اس عہد سے تعلق رکھتے ہیں، جس میں دو تہذیبوں کا باہمی تصادم ملتا ہے۔ سالہا سال سے جاری و ساری رہنے والی تہذیب بساط لپیٹ کر جانے کی تیاری کر رہی تھی اور نئی تہذیب کے نام پر مادیت کی یلغار ہو رہی تھی۔ عجیب کشمکش کا دور تھا۔ پورا سماج فانی کے سامنے تھا، انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ نہ اس تہذیب میں ہمارا فائدہ ہے اور نہ مقصدی شاعری میں، ایسی صورت میں جو لوگ اس تہذیب کے دلدادہ تھے اور اس کے بطن سے ادب کے ایک نئے نظریے کو فروغ دینا چاہتے تھے۔ ان کو یہ کیسے راس آ سکتا تھا وہ تو پورے ماحول کو اس نئی تہذیب میں ڈھالنا چاہتے تھے جو مغرب سے آئی تھی اور فانی اس کے لئے تیار نہ تھے۔

فانی بدایونی جن کی زندگی کا ہر ورق غموں سے عبارت ہے جنکی

کتاب زیست میں خوشی کا کوئی باب نہیں مگر وہ اسی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں۔ آل احمد سرور نے فانی کے غم کے متعلق لکھا ہے۔

"فانی کے یہاں غم کا عرفان ملتا ہے جو غم اور موت دونوں کو گوارا بنا دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ موت سے گریزاں نہیں بلکہ خیر مقدم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ پناہ کی خاطر غم کو اختیار نہیں کرتے۔

راحت کا مفہوم یہی ہے جہد طلب باز ندہ رہے
بڑھنے دے دل کی بے چینی تڑپے جا آرام ملے

غم کو جو خوشی بنا کے چھوڑے
فانی وہ نصیب چاہتا ہوں

مایوس انسان کو پوری دنیا تاریک نظر آتی ہے۔ ہر سہارے کو تار عنکبوت سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے خالق حقیقی سے بھی اس کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن فانی اپنی تمام مایوسیوں اور ناکامیوں کے باوجود "لاتقنطوا" کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ یہی سبب ہے کہ غم پسند ہونے کے باوجود فانی غم پرست نہیں ہیں۔ ان کے غم کے سیلاب کو ایقان اور ایمان ہلکا کر دیتے ہیں فانی کے یہ اشعار دیکھیں اور خود فیصلہ کریں کہ کیا یہ اشعار ایک قنوطیت پسند شاعر کے ہو سکتے ہیں۔

اچھا یقیں نہیں ہے تو کشتی ڈبو کے دیکھ — اک تو ہی ناخدا نہیں ظالم خدا بھی ہے
صبر تا پایان محبت تو نہیں ہے لیکن — شکر کر بن پڑے شکوہ بے داد نہ کر
یارب تیری رحمت سے مایوس نہیں فانی — لیکن تیری رحمت کی تاخیر کو کیا کہیے

بچھ گئے راہ یار میں کانٹے
کس کو عذر برہنہ پائی ہے

اس اعتراف میں مجھے کوئی تردد نہیں کہ فانی کی شاعری میں غم والم کی



کارفرمائی اسی طرح ہے جس طرح ریاض کی شاعری میں خمریات کی۔ البتہ فرق صرف اتنا ہے کہ ریاض نے نہ شیشے کی پری کو منھ لگایا اور نہ جام و مینا سے آشنائی کی۔ جس کے برخلاف فانی تمام عمر غموں سے دوچار رہے۔ غم دوراں ہو یا غم جاناں ہر ایک سے ان کا سابقہ پڑا جس کے سبب غم اور فانی دونوں لازم و ملزوم ہو گئے۔ ان کی شاعری غم کی ترجمانی کرنے لگی اور وہ غم کے ترجمان بن گئے۔ انہیں اس کا کوئی فکر نہیں کہ اس کی وجہ دنیا انہیں کیا کہے گی۔ البتہ شکوہ ہے تو صرف اس بات کا کہ آخر قدرت مجھے غم جاوداں کیوں نہیں عطا کرتی۔

وہ یہ گماں کہ مجھے تاب رنج زیست نہیں
مجھے یہ غم کہ غم جاوداں نہیں ملتا

فانی پر ایک بڑا الزام یہ ہے کہ ان کے اشعار زندگی سے عزم و ولولہ چھین لیتے ہیں کیونکہ فانی کو ہر چیز میں درد و غم ہی نظر آتا ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ درد والم اور حرماں نصیبی ان کی شاعری کے خاص موضوعات ہیں مگر اس چیز نے شعر و ادب کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچایا۔ البتہ اردو شاعری کو ایک نیا آہنگ دیا ہے آل احمد سرور کا خیال ہے۔

"یہ غلط ہے کہ ان کے اشعار زندگی سے زندگی کرنے کا حوصلہ چھین لیتے ہیں وہ طبیعت میں ایک خاص گداز، نظر میں بصیرت، اور احساس میں ایک خاص گہرائی پیدا کرتے ہیں زندگی میں ان چیزوں کی بھی ضرورت ہے۔

فانی نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا تھا اور وہ اس کی حقیقت سے آگاہ تھے۔ اس لئے وہ نہیں چاہتے تھے کہ لوگ مسرت و شادمانی کے عارضی فریب میں آجائیں وقتی خوشی کو پوری زندگی کا حاصل سمجھ بیٹھیں۔ فانی کی یہی حقیقت پسندی ان کے لئے عذاب بن گئی۔

شعبدے آنکھوں کے ہم نے کتنے دیکھے ہیں — آنکھ کھلی تو دنیا تھی اور بند ہوئی افسانہ تھا

ہم نے غم کے ماروں کی محفلیں اجڑتی دیکھی ہیں
ایک غم گسار اٹھا ایک غم گسار آیا

مجاز جن کے یہاں مذہب، سماج، سیاست ہر چیز سے بغاوت ہے۔ نہ سماج نے اس کی خواہشوں کی تکمیل ہونے دی اور نہ مذہبی دعوے داروں سے وہ امیدیں پوری ہوئیں جو وابستہ تھیں اور نہ اس نظام کا خواب ہی شرمندۂ تعبیر ہو سکا جو مجاز نے دیکھا تھا۔ ان مادی چیزوں نے مجاز کو ہر چیز سے متنفر کر دیا جس کے نتیجے میں بے چینی اور بے قراری مجاز کا مقدر بن گئی اور اس کا اثر براہ راست ان کی شاعری پر پڑا۔

کسی کی پوری زندگی کو تو حزنیہ نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ زندگی میں سب سے زیادہ اس کا سابقہ غم و الم ہی سے ہوتا ہے۔ شاعر جس قدر عظیم اور حساس ہوگا اسی قدر غم کا ترجمان ہوگا۔ غم زندگی کا نہ جھٹلانے والا پہلو ہے۔ فانی نے درست کہا ہے

مختصر قصۂ غم یہ ہے کہ دل رکھتا ہوں
راز کونین خلاصہ ہے اس افسانے کا

اس حقیقت کو شیلی نے یوں بیان کیا ہے کہ "ہمارے شیریں ترین نغمے وہ ہیں جو سب سے زیادہ الم انگیز خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں ہماری سب سے پرخلوص ہنسی میں بھی درد مضمر ہوتا ہے"۔

ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ غم زندگی کا بہت اہم موضوع ہے اس سے نجات نہیں۔

اردو شاعری میں بھی غم کو بہ حیثیت موضوع ہمیشہ اہمیت حاصل رہی ہے۔ میر کے بعد فانی نے اپنی شاعری کو جس طرح غم کا ترجمان بنایا ہے ان کی الگ شناخت قائم ہوئی اور ان کی انفرادیت بھی۔ فانی نے اپنے اشعار میں جس طرح غم کی ترجمانی کی اس سے ہزاروں ہمدرد، دل ٹوٹے اور رنجیدہ دل کے جذبات ابھرتے ہیں وہیں یہ خیال بھی پیدا ہوتا ہے کہ زندگی میں غم کی کارفرمائی کس قدر ہے اور خوشی کا کتنا حصہ ہے۔ شاعری میں



اگر فانی کا غم وقتی اور سطحی ہوتا تو وقت کے ساتھ ساتھ ماند پڑ جاتا لیکن انہوں نے غم کو ایک نیا روپ عطا کیا۔ جو ان کی شاعری کے لئے جزو لاینفک کی حیثیت اختیار کر گیا۔ اس کی تاریکی سے روشنی پیدا ہو گئی، اور یہ کانوں پر بار نہیں ایک سرور پیدا کرتا ہے اور جو سنتا ہے لگتا ہے کہ اسی کی داستان دہرائی جا رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری نہ مریضانہ ہے، نہ درد و غم کا نوحہ بلکہ شاعری کا بہترین مرقع جس میں ہر ایک کی تصویر نظر آتی ہے۔

ادا سے آڑ میں خنجر کے منہ چھپائے ہوئے
وہ لائے میری قضا کو دلہن بنائے ہوئے

فراق گورکھپوری نے ان لوگوں پر سخت تنقید کی ہے جو فانی کے اشعار کو "جنازے بازی" یا "مرگھٹ" کے روپ سے تعبیر کرتے ہیں فراق نے اس قسم کی تنقید کو تنقید نہیں جھلاہٹ کا نام دیا ہے۔

اردو شاعری میں غم ہمیشہ ایک اہم موضوع رہا ہے۔ اکثر شعراء نے اسی کی بدولت شہرت حاصل کی اقبال کا فلسفۂ خودی بھی اسی غم کا نتیجہ ہے۔ مختلف وادیوں میں بھٹکنے کے بعد جب کوچۂ غم میں اقبال نے قدم رکھا تو مقبولیت نے ان کے قدم چومے۔ جوش ملیح آبادی کی شاعری کو عموماً لوگ لذت پرستی سے تعبیر کرتے ہیں لیکن "فریب ہستی" جس میں غم کی ترجمانی ہے ان کی مقبول ترین نظم ہے۔

ترقی پسند تحریک سے وابستہ افراد بھی غم سے اپنے دامن کو نہ بچا سکے فیض احمد فیض کو ملک میں رہنے والوں کی عزت و رسوائی کا غم ہے، وہیں کے رہنے والوں کی خستہ حالی کا غم ہے۔

عہد حاضر کے ایک اہم شاعر معین احسن جذبی ہیں۔ ان کے یہاں بھی حسن و عشق کی واردات میں غم کی آواز نمایاں ہے فانی کی طرح جذبی بھی موت و زیست کی اس کشمکش میں موت ہی کے طلب گار نظر آتے ہیں۔

اپنے منفرد لہجے اور خیال سے فانی نے اردو شاعری کو کوئی نقصان نہیں پہونچایا بلکہ سوچنے کا ایک نیا انداز اور شاعری کا نیا لہجہ عطا کیا۔

فانی کی پوری شاعری میں اگرچہ غم کی کارفرمائی ہے مگر وہ کہیں محزون و مایوس نظر نہیں آتا اور نہ کسی کو محزون و مایوس کرتے ہیں۔ غم و الم کی ترجمانی کرنے کے باوجود غم پرست نہیں کیوں کہ اللہ کی رحمت اور قدرت پر انہیں مکمل یقین تھا۔ غم و الم کے اندھیرے سے خوشی اور امید کی کرن حاصل کرنا فانی کا اہم کارنامہ ہے۔ ظاہر ہے یہ کام مایوس انسان نہیں کر سکتا۔ اس نہج سے ہم دیکھیں تو فانی کی شاعری کو اقبال کے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں۔

بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی

---

# غزل

شفیع اللہ خاں رازؔ اٹاوی

وقفِ خنجر ہے ابھی تک آدمی کا بانکپن
خوف میں ڈوبا ہوا ہے زندگی کا بانکپن

ہم اگر مٹ جائیں گے تم بھی فنا ہو جاؤ گے
ہم سے قائم ہے وقارِ زندگی کا بانکپن

سرزمیں سے تا فلک تک تیرگی ہی تیرگی
نرغۂ ظلمات میں ہے روشنی کا بانکپن

مردہ خانے توڑ کر باہر نکل آئے ہیں لوگ
جب سے مہکا ہے فضا میں شعلگی کا بانکپن

ہوشمندوں کے دلوں پر بیخودی کا راج ہے
اوج پر ہے ان دنوں دیوانگی کا بانکپن

قوتِ باطل سے ٹکراتا رہا ہوں عمر بھر
یاد رکھوگے مری زندہ دلی کا بانکپن

ساحلوں پر آتشیں طوفان ابھرنے لگے
پانیوں میں جھومتا ہے تشنگی کا بانکپن

انتہائے تنگ ذہنی الاماں والحفیظ
آدمی نے ڈس لیا ہے آدمی کا بانکپن

کیا خبر تھی رازؔ جب فصلِ بہاراں آئے گی
خاک میں مل جائے گا اک اک کلی کا بانکپن



# تعارف و تبصرہ

مولانا افتخار الحسن ندوی

نام کتاب :- ______ دعوت و تبلیغ
مرتبین :- ______ مولانا شفیق احمد قاسمی و مولانا محمد ظفر جمال قاسمی
کاغذ و طباعت ______ عمدہ
مجلد :- ______ خوبصورت گیٹ اپ
قیمت :- ______ ۵۰/ روپے۔

جن لوگوں کو تبلیغی جماعت کے اجتماعات میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا ہو انہیں اندازہ ہوگا کہ ان کے اتقیاء کی تقریریں کتنی دلگیر و دل پذیر ہوتی ہیں، یہاں نہ فلسفیانہ موشگافی ہوتی ہے نہ الفاظ و عبارت کی صنعت گری و رمز و کنایہ کا اخفاء و غموض بلکہ تکلف و تصنع سے پاک سادہ و سلیس انداز میں نورِ ایمان کی شمع دلوں میں روشن کر دی جاتی ہے، دیکھتے دیکھتے آدمی کے دل کی دنیا میں ایسا انقلاب آجاتا ہے کہ سیرت و کردار سے لیکر صورت و لباس، وضع قطع نشست و برخاست اور رفتار و گفتار کے اطوار سب کچھ بدل جاتے ہیں۔

مولانا محمد عمر پالنپوری تبلیغی جماعت کے ان ہی معروف و ممتاز اتقیاء میں سے ہیں جن کی تقریریں ظلمت کدۂ سینے چراغ دل کو تجلیات الٰہی کا آئینہ خانہ بنادیتی ہیں، ان ہی انقلاب آفریں اثر انگیز تقریروں کا مجموعہ دعوت و تبلیغ کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ جن لوگوں کو موقع و فرصت نہ ہو کہ وہ براہ راست ان اجتماعات میں شریک ہو سکیں، ان کے لئے یہ کتاب

اجتماع کی شرکت کا بدل ہے۔ وہ اس کو تنہائی میں بیٹھ کر پڑھیں گے تو محسوس کریں گے کہ جو روح اور جو جذبہ لوگوں کو اجتماع گاہ میں جھنجھوڑتا تھا وہ اس کتاب میں بدرجہ اتم موجود ہے اور ان کے دلوں کو جھنجھوڑتا اور عمل کی جوت جگانے پر مجبور کرتا ہے ـــــ اس پہلو سے دیکھا جائے تو یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ کتاب جس گھر میں پڑھی جائے گی مولانا محمد عمر پالنپوری کا سوز دروں دلوں میں ایمان و یقین کی گرمی و حرارت پیدا کرتا رہے گا وہ دیکھیں گے کہ اجتماع گاہ کے اندر دعاؤں میں تضرع اور ابتہال کی جو کیفیت تھی وہ کتاب کے صفحات پر ایسی مجسم ہو گئی ہے کہ دلوں کی سختی کو گداز میں تبدیل کر دے۔

رہے وہ لوگ جو اجتماع میں شریک ہو چکے ہوں اور اس تقریر کو براہ راست سن چکے ہوں تو ایسے لوگ جب اس کتاب کو دل کی یکسوئی کے ساتھ پڑھیں گے تو انہیں تقریر کی وہ اصل لذت حاصل ہوگی جو اجتماع گاہ میں شور و ہنگامہ کی نذر ہو کے رہ گئی تھی ـــ فی الجملہ یہ کتاب ہر گھر میں رکھنے کے لائق ہے۔ کہ خواتین کو بھی اس سے فائدہ پہونچے گا جو عام اجتماعات میں شریک ہو کر مستفید نہیں ہو پاتیں اور ہر کم پڑھے لکھے افراد یا ناخواندہ افراد اس کو پڑھوا کر سنیں تو ان کو بھی خاطر خواہ فائدہ ہوگا اور اطاعت و بندگی کا شوق و جذبہ دلوں میں پیدا ہوگا۔



# جامعہ کے لیل و نہار

ادارہ

## ذمہ داران انجمن طالبات قدیم کا انتخاب

۲ر شعبان ۱۴۲۶ھ کو انجمن طالبات قدیم جامعۃ الفلاح کی منعقدہ تنظیمی نشست میں اتفاق رائے سے محترمہ ساجدہ ابواللیث فلاحی صاحبہ کو صدر، محترمہ آسیہ فلاحی صاحبہ کو سکریٹری، محترمہ سلمیٰ سجاد فلاحی صاحبہ کو خازن اور محترمہ سلمیٰ سلامت اللہ فلاحی صاحبہ کو محاسب منتخب کیا گیا۔ اور درج ذیل اخوات شوریٰ کی رکن منتخب کی گئیں۔

۱۔ محترمہ نور الصباح فلاحی، بلریا گنج، ۲۔ محترمہ سلمیٰ خورشید فلاحی، بلریا گنج ۳۔ محترمہ درخشاں فلاحی، بلریا گنج ۴۔ محترمہ حسنہ فلاحی ۵۔ محترمہ عارفہ زینب فلاحی، بلریا گنج ۶۔ محترمہ بشریٰ فلاحی، علاء الدین پٹی ۷۔ محترمہ راشدہ ادریس فلاحی، سنجر پور ۸۔ محترمہ نزہت ابوالبقار فلاحی، بلریا گنج ۹۔ محترمہ سمیہ سبحانی فلاحی بلریا گنج ۱۰۔ محترمہ شاکرہ انوری فلاحی، بلریا گنج، ۱۱۔ محترمہ فاطمہ علاء الدین فلاحی بلریا گنج

اللہ تعالیٰ ان تمام ہی اخوات کو اپنی اپنی ذمہ داریاں بحسن و خوبی انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

## توسیعی لیکچر

۳۰ر شوال ۱۴۲۷ھ کو ابواللیث ہال میں مولانا اقبال احمد قاسمی صاحب نے اپنے مؤثر اور دل نشیں انداز میں برطانیہ میں موجود مسلمانوں کی آبادی

ان کی معاشی، دینی، اخلاقی، مذہبی، اور سیاسی حالت پر ایک توسیعی لیکچر دیا۔ موصوف نے دعوت و تبلیغ کے میدان میں سرگرم دینی جماعتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے یو، کے اسلامک مشن کا تفصیلی تعارف کرایا۔ نیز اس کی کارکردگی کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے آپ نے بتایا کہ اگر یہ جدوجہد جاری رہی تو مستقبل میں اسلام کی توسیع و اشاعت کے کافی امکانات ہیں۔ ہال میں موجود طلبہ و اساتذہ آپ کے پورے لیکچر کے دوران ہمہ تن گوش رہے اس لیکچر کی مفصل رپورٹ ان شاء اللہ اگلے شمارہ میں ہدیۂ قارئین کی جائے گی

## نئی تقرریاں

کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ دینی مدارس میں درس و تدریس کی توفیق سے نوازتا ہے کہ دینی مدارس میں درس و تدریس فریضۂ شہادت حق کی ادائیگی کی سب سے مفید ترین شکل ہے امسال جن نئے لوگوں کو اس کی سعادت نصیب ہوئی ہے ان میں درج ذیل لوگ شامل ہیں۔

محترم رضوان الحق صاحب فلاحی علیگ، مولانا محمد شاہد صاحب فلاحی کی تقرری شعبۂ اعلیٰ "طلبہ" میں بالترتیب انگریزی و عربی ادب کے استاذ کی حیثیت سے ہوئی ہے۔ محترمہ تزئین فاطمہ بنت عبدالجبار علیگ اور محترمہ ساجدہ ابواللیث فلاحی کی تقرری بالترتیب انگریزی و عربی ادب کے استاذ کی حیثیت سے ہوئی

ان کے علاوہ عاملہ کے اس فیصلے کے مطابق کہ ہر سال دو پہلی ممتاز پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کی استاذ معید کی حیثیت سے تقرری کی جائے گی، محمد طارق فلاحی کی تقرری عمل میں آئی ہے۔

## جاوید سلطان فلاحی جامعۃ الامام میں

یہ خبر دیتے ہوئے ہمیں بڑی مسرت ہو رہی ہے کہ برادرم جاوید سلطان فلاحی صاحب، اعلیٰ دینی تعلیم کے حصول کے لئے "فلو



نفر من کل فرقۃ منہم طائفۃ لیتفقہوا فی الدین" کے بموجب، ۲ شوال ۱۴۲۱ھ کو جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض روانہ ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں علم و عمل کی بلندیوں سے سرفراز کرے۔ موصوف جامعہ سے فراغت کے بعد ہی سے مادر علمی کی خدمت میں لگ گئے تھے۔ ہمیں برادر موصوف سے توقع ہے جامعۃ الامام سے فراغت کے بعد آپ کی تدریسی خدمات دوبارہ جامعہ کو حاصل رہیں گی۔

## محترم ڈاکٹر اشتیاق دانش فلاحی ترقی کے زینہ پر

یہ خبر فلاحی برادران کیلئے فرحت و جانفزا ہوگی کہ محترم اشتیاق دانش فلاحی علیگ صاحب لکچرار کے درجہ سے ترقی کر کے ریڈر ہو گئے ہیں۔ موصوف کی تقرری چند سال پہلے جامعہ ہمدرد دہلی کے شعبہ اسلامک اسٹڈیز میں لکچرار کی حیثیت سے عمل میں آئی تھی۔

## محترم آفتاب رحمانی فلاحی کی والدہ جوار رحمت میں

یہ خبر انتہائی رنج والم کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ برادر آفتاب رحمانی فلاحی صاحب کی والدہ محترمہ ۱۰ شوال ۱۴۲۱ھ کو چاشت کے وقت انتقال فرما گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اور ۱۱ شوال ہی کو دوپہر بعد ٹھیک دو بجے انہیں گاؤں کے آبائی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ قارئین حیات نو نیز فلاحی برادران سے دعاء مغفرت کی درخواست ہے۔

اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور موصوفہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔ آمین۔

# روداد انجمن

محمد اکرم فلاحی

## قطر یونٹ

حسب معمول ۲۰ شعبان ۱۴۱۶ھ کو جناب ابوالکلام فلاحی صاحب کی رہائش گاہ پر انجمن طلبہ قدیم قطر یونٹ کی ایک نشست منعقد ہوئی۔ نشست کا آغاز جناب مولانا محمد عرفان احمد صاحب شمسی فلاحی کے تذکیری کلمات سے ہوا۔ موصوف نے اپنی تذکیر میں رمضان المبارک کی عظمتوں و برکتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ماہ مبارک کی برکتوں کے اصل راز کی جانب اشارہ کیا اور بتایا کہ اس کی برکتوں سے حقیقی فیضیابی قرآن پر تدبر و تفکر اور عمل کرنے ہی پر منحصر ہے۔

موصوف کے تذکیری کلمات کے بعد جامعۃ الفلاح کے مختلف امور زیر بحث آئے اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ جامعہ کے نصاب کی بعض کتابیں خرید کر جلد از جلد روانہ کر دی جائیں۔ چنانچہ دوحہ قطر میں کتابوں کے لگے ہوئے معرض سے نصاب میں داخل کتابوں کے چند سیٹ خرید لئے گئے ہیں جو جلد ہی کسی ذریعہ سے روانہ کر دئیے جائیں گے۔

اس نشست میں درج ذیل فلاحی برادران نے شرکت فرمائی۔

مولانا محمد عرفان احمد شمسی فلاحی، مولانا عبدالحلیم فلاحی، محمد اکرم فلاحی، محترم طارق سلیم فلاحی، محترم آزاد اقبال فلاحی، محترم جاوید احسن فلاحی، محترم ابوالکلام فلاحی، محترم عبدالعزیز فلاحی، محترم ندیم حیدر فلاحی، محترم انوار احمد فلاحی، محترم زین العابدین فلاحی، محترم شجاع الدین فلاحی ——

آخر میں یہ روح پرور نشست جناب مولانا محمد عرفان احمد شمسی فلاحی صاحب کی دعا پر اختتام پذیر ہوئی۔



# حلقہ یاراں

محمد الیاس الاعظمی
ریسرچ اسکالر

برادر گرامی مولانا انیس احمد فلاحی مدنی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

حیات نو نومبر و دسمبر ۹۶ء کا مشترکہ شمارہ ملا مطالعہ کے بعد طبیعت بہت خوش ہوئی آپ نے اسکو ایک علمی و تحقیقی رسالہ بنانے کی کوشش کی ہے احقر ہر طرح سے اس سلسلہ میں اپنی وسعت کے مطابق آپ کی مدد کو تیار ہے۔

اسی شمارہ میں میری کتاب تذکرۃ القراء پر جناب جنید احمد کاظمی صاحب کا تبصرہ شائع ہوا ہے اس کیلئے جناب جنید کاظمی صاحب اور آپ کا شکرگذار ہوں لیکن تبصرہ سے متعلق چند باتیں عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں

۱۔ پوری کتاب پڑھ کر تبصرہ نہیں کیا گیا حالانکہ بغیر پوری کتاب پڑھے کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی اور یہ اصول تبصرہ نگاری کے خلاف بھی ہے احقر بھی ماہنامہ الرشاد میں کتابوں پر تبصرہ کرتا ہے اس لئے اس میدان کی بعض دشواریوں پر اسکی نظر ہے۔

۲۔ لائق تبصرہ نگار نے میری کتاب کو تذکرہ قاریان ہند کی ترجمہ بتایا ہے جو صریح غلطی ہے تذکرہ قاریان ہند میں ہندوستانی قراء کے حالات ہیں جبکہ میری کتاب میں قرائے سبعہ اور ان کے دو دو رواۃ قرأت کے حالات و سوانح اور انکے علمی کارناموں کا تذکرہ ہے

۳۔ تبصرہ نگار نے لکھا ہے کہ اگر فہرست عناوین شروع یا آخر میں دیدی جاتی تو حالات تلاش کرنے میں آسانی ہوتی۔ حالانکہ کتاب کے شروع میں فہرست موجود ہے اگر کتاب پڑھی گئی ہوتی تو تبصرہ نگار کو یہ خواہش کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

۴۔ قرائے سبعہ اور ان کے رواۃ قرأت کا تعلق اس عہد سے ہے جس میں عربوں سے

ہندوستان کا تعلق واضح نہیں اور علمی روابط تو پیدا ہی نہیں ہوئے تھے خود یہ بھی آج تک تحقیق طلب امر ہے کہ اس عہد میں ہندوستان میں مسلمان آباد تھے یا نہیں اس کے بعد قرائے سبعہ کے شاگردوں میں ہندی الاصل شاگردوں کی تلاش کیا معنی رکھتی ہے

بہرحال تبصرہ کیلئے شکر گزار ہوں تبصرہ نگار نے میرے تعلق سے جو کلمات خیر فرمائے ہیں اس کا دل سے شکر گزار ہوں۔

امید ہے مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

[illegible]

۱۳/۲/۷

اورنگ آباد

---

قمر رسولپوری

## غزل

یہ غزل شبلی کالج کی ایک طرحی نشست میں پڑھی گئی۔

خلوص دل سے اگر اس کی بندگی کرتے — تلاش دیر و حرم کی نہ ہم کبھی کرتے
کسی نے ہم کو سکھائے ہیں بندگی کے اصول — ہمیں شعور کہاں تھا کہ بندگی کرتے
سیاہیوں کے طلسمات خود بکھر جاتے — ہم اپنے خون جگر سے جو روشنی کرتے
جو احتساب کا ادنیٰ شعور ہوتا ہمیں — گناہ کرتے تو لیکن کبھی کبھی کرتے
ہمارے پاؤں کو خود ڈھونڈتی منزل — یہ راہ رو جو سلیقے سے رہبری کرتے
کسی سے امن و تحفظ کی بھیک لیتے — چلا تھا اپنے ارادوں کو آہنی کرتے

یہ صرف ان کی نوازش ہے اے جناب قمر
ہمیں شعور کہاں تھا کہ شاعری کرتے

---